امارتِ شرعیّہ

دینی جدوجہد کا روشن باب

تالیف

مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی

(مرتب فتاوی دارالعلوم دیوبند)

امارت شرعیہ

دینی جدوجہد کا روشن باب

ہندوستان میں مسئلہ امارت کی شرعی حیثیت، اس
تحریک کی نشو ونما، بہار و اڑیسہ میں اس کے قیام
اور اس کی اہم دینی و ملی خدمات کی مکمل تاریخ

تالیف
محمد ظفیر الدین مفتاحی

شائع کردہ
مکتبہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

نام کتاب : امارت شرعیہ۔ دینی جدوجہد کا روشن باب

نام مرتّب : محمد ظفیر الدین مفتاحی

طبع اول : ربیع الاول ۱۳۹۴ھ - اپریل ۱۹۷۴ء

تعدادِ اشاعت : دو ہزار

قیمت : چھ روپے

کاتب : محمد انور دیوبندی

شائع کردہ

مکتبہ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پھلواری شریف

پٹنہ (بہار)

بسم اللہ تعالیٰ

فہرست مضامین امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب

امارت شرعیہ کی اہم دینی و ملی خدمات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ و تعارف

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب مدظلہ ندوی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

قرآن مجید اور حدیث نبوی میں دعوت اسلامی اور دین محمدیؐ کے قبول کرنے، اور ان پر ایمان لانے والوں کا تصور ایک منظم اور مربوط جماعت ہی کی شکل میں کیا گیا ہے، ان کے لیے "امت"، "ملت"، "جماعت" کے جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، وہ سب اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کتاب و سنت کی لغت و اصطلاح میں محض تعداد کی کثرت، اور انسانوں کے انبوہ کے جیسے سطحی مفہوم اور معنی کے لیے استعمال نہیں کیے گئے، جن کا ادیان و ملل کی تاریخ میں کبھی، اور قوموں اور تہذیبوں کی تقدیر میں کبھی کوئی وزن اور اثر نہیں ہے، بلکہ سارا قرآن مجید کہیں امم سابقہ کے واقعات کے سلسلہ میں، اور کہیں قوت و ضعف، اور غلبہ و ہزیمت کے اسباب کے تذکرے میں، تعداد کی کثرت کی بے اثری، انسانی انبوہ کی بے وزنی، اور صالح ترین افراد کی موجودگی میں فساد کے غلبے، انسانوں کی مظلومیت، اور دین حق کی مغلوبیت کے

تذکرے سے بھرا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میزانِ عدل اور میزانِ عقل دونوں میں منتشر افراد کی (جن کی تعداد خواہ کتنی ہی زائد ہو) کوئی بڑی اہمیت وافادیت نہیں۔

اسلام کے پیشِ نظر جو عظیم مقاصد ہیں، ان میں عبد و معبود کے تعلق کی اصلاح و تنظیم، پھر اس کی ترویج و توسیع انسانی زندگی کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی سعی، افرادِ جماعت کے باہمی تعلقات کی استواری اور خوشگواری بھی ہے، ایک ایسی شائستہ، خوش اسلوب، پُرسکون اور پُرامن زندگی کے لئے فضا ہموار کرنا بھی ہے، جس میں خالق کے فرائض، مخلوق کے حقوق، دونوں کے ادا کرنے کا پورا موقعہ، اور ان کمالات وارتقائی منازل تک پہونچنے کا پورا امکان پایا جاتا ہے، جن کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اس لئے کوشش کی سہے کہ اس کی قوتِ عمل اور ذہانت، ان خطرات کا مقابلہ کرنے، ان نقصانات سے بچنے، اور ان مفاسد کے دور کرنے میں ضائع نہ ہو، جو کبھی غیر منظم زندگی سے پیدا ہوتے ہیں، کبھی خود ساختہ قوانین سے، کبھی مطلق العنانی اور جاہ و اقتدار کی ہوس سے اس کے لیے ایک منزل من اللہ قانون، آسمانی شریعت، اور خدا کی الوہیت وحاکمیت کے عقیدہ پر ایک نظامِ خلافت و امارت ضروری ہے، جہاں تک شریعتِ الٰہی کا تعلق ہے، اس کے منزل من اللہ، معصوم عن الخطاء، اغراض ومفادات، تعصبات اور جنبہ داریوں سے بلند و بالا تر ہونے کا عقیدہ ضروری ہے، اور جہاں تک خلافت و امارت کا تعلق ہے،

اس کا اس شریعت کے صحیح ترجمان و نمائندہ، اور انسانی طاقت و ارادہ کی حد تک بے جا حمایت و عصبیت، مداہنت اور عدم مساوات سے دور رہنا ضروری ہے،

ان مقاصد کی تکمیل، اور ان نتائج کے ظہور کے لئے ابتدا ہی سے صاحب شریعت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے احکام وہدایات صادر فرمائیں جن کی موجودگی میں مسلمان ایک ایسی منظم اور مربوط جماعت کی شکل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو ایک ایسے صاحب امر فرد کے حکم و انتظام کی تابع ہے، جو بہت سی خصوصیات میں ان سے امتیاز رکھتا ہے، ان کے مصالح، مفادات، اور ضروریات کا نگراں ہے، اور انھوں نے اس کو شریعت کے وسیع و لچکدار رہنما اصولوں کی روشنی میں انتخاب کیا ہے، اگر وہ امامت کبریٰ کے منصب پر فائز ہے تو اس کو خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین، یا امام کہیں گے، اور اگر وہ اس کا نائب، اس کا نامزد کیا ہوا ہے، یا شریعت کے احکام کے نفاذ، فصلِ خصومات، اور منظم دینی زندگی گذارنے کے لئے مسلمانوں نے اس کو (جزئی اور مقامی طور پر) انتخاب کیا ہے تو اس کو امیر کہیں گے۔

جہاں تک خلیفہ اور امام کا تعلق، اور اس کے منصب و مقام حقوق واحکام کی بحث ہے، وہ اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں، اور جن حالات سے دوچار ہیں، ان میں اس کا فی الحال موقعہ نہیں، فقہ اور اصول فقہ کی تقریباً تمام مستند

کتابوں میں اس پر مستقل ابواب، اور اس کے مسائل و احکام درج ہیں، ہمارے ملک ہندوستان میں اس موضوع پر دو کتابیں ایسی لکھی گئیں، جن کی نظیر وسیع اسلامی کتب خانے، اور خود عربی و فارسی میں بھی ملنی مشکل ہے، ان میں ایک حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی معرکۃ الآراء کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" ہے، دوسری انھیں کے نامور اور نادرۂ روزگار پوتے مولانا محمد اسمٰعیل شہید رح کی "منصب امامت" ہے، اس مسئلہ میں ان دونوں کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے، لیکن یہاں پر اتنا کہے بغیر بھی آگے نہیں بڑھا جاتا کہ خلیفہ کا انتخاب ایسے دینی فرائض میں سے تھا کہ سب سے بڑے عاشق رسول ؐ اور جاں نثار رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے عشاق و جاں نثاروں کے گروہ صحابہ کرام رض نے معہ اہل بیت عظام کے اس مسئلہ کا تصفیہ، اور خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کو جسدِ اطہر و انور کی تدفین پر مقدم رکھا، اور تقریباً یہی معمول ہر خلیفہ کے انتقال پر رہا، صدیق اکبر رض کے انتخاب ۱۱ھ سے لے کر خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کی شہادت ۶۵۶ھ تک عالم اسلام خلیفۂ اسلام سے کبھی محروم نہیں رہا، صرف خلیفہ مسترشد باللہ۔ جو سلطان مسعود سلجوقی کے ہاتھوں ۱۰ رمضان ۵۲۹ھ میں گرفتار ہوا تھا۔ کی غیبت و اسیری کے قلیل وقفہ میں جو تین مہینے سات دن سے متجاوز نہیں تھا، عالم اسلام خلیفۂ اسلام کے بغیر رہا، لیکن یہ عالم اسلام کے لیے ایک ایسا انوکھا تجربہ، اور المناک واقعہ تھا جس کی وجہ سے وہ سیاہ پوش اور سوگوار، اور بغداد زیروزبر

ہو گیا، ابن کثیرؒ کے الفاظ ہیں :-

"بغداد کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آگیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا، اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں، اور خلیفہ کے قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں - دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے، اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے، ملک سنجر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجے کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا، اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کر دے - ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی۔[۱]"

خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت پر شیخ سعدی نے جو مرکز خلافت سے بہت دور شیراز میں رہتے تھے، جو دل دوز و جگر سوز مرثیہ کہا ہے اور جس کا مطلع ہے ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ امرِ مستعصم امیر المؤمنین

---

[۱] ابنِ کثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۸ -

سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خلافت اور خلیفہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے، اور عالم اسلام کی ان سے محرومی پر کن جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد ساڑھے تین سال تک اس منصب رفیع کے لیے کسی کا انتخاب نہیں ہوا۔ ابن کثیر جب اپنی تاریخ میں جو سنین پر مبنی ہے نئے سال کا آغاز کرتا ہے، تو عموماً یہ الفاظ لکھتا ہے:۔

استہلت ھذہ السنۃ — یہ سن ہجری شروع ہوا، اور صورت
ولیس للمسلمین خلیفۃ[1] — حال یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں ہے

یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ مصر کے طاقتور سلطان الملک الظاہر بیبرس نے ۱۳ رجب ۶۵۹ھ میں عباسی خاندان کے ایک فرد مستنصر باللہ کو خلیفہ منتخب کرلیا، اہل مصر نے اس پر بڑی مسرت کا اظہار کیا، اور وہ وہاں کی تاریخ کا ایک یادگار دن تھا، لیکن اس کی حیثیت محض ایک روحانی پیشوا، یا صحیح تر الفاظ میں "تبرک" سے زیادہ نہ تھی، لیکن مسلمان اس کو بھی غنیمت سمجھتے تھے، کہ وہ کسی نہ کسی طرح سے سایۂ خلافت کے نیچے زندگی گذار رہے ہیں، اگرچہ وہ محض سایہ ہی سایہ تھا، خلیفہ کے ہاتھ میں کسی قسم کا اقتدار، اور امر و نہی کی کوئی طاقت نہ تھی۔

یہ سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رہا۔ یہاں تک کہ ۹۲۳ھ ۱۵۱۶ء میں سلطان سلیم عثمانی نے مصر و شام و عراق اور مشرق وسطیٰ کو عثمانی سلطنت کی

---

[1] مثال کے طور پر دیکھیے "البدایۃ والنہایۃ" جلد ۱۳ ص ۲۱۵۔

تولیت میں لینے کے بعد اس وقت کے برائے نام خلیفہ متوکل سے خلافت کا پروانہ حاصل کرلیا، اور مرکزِ خلافت کو مصر سے قسطنطنیہ منتقل کرلیا۔ اس وقت سے خلافت سلاطینِ آلِ عثمان میں رہی، اس خلافت نے اس منصبِ عظیم کے حقوق کہاں تک ادا کیے، کہاں تک اس کے شعبوں کو زندہ اور قائم رکھا، اور کہاں تک ان توقعات کو پورا کیا، جو خلیفۃ المسلمین کی ذات سے وابستہ ہیں؟۔ یہ ایک تاریخی بحث ہے، جس پر قلم اٹھانا اس وقت ہمارے لیے مشکل، اور ہمارے مبحث سے خارج ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سلاطین آلِ عثمان کی ساری کوتاہیوں، اور مشکلات کے باوجود خلافت کے انتساب سے ان کی عظمت وہیبت، اور عالمِ اسلام کی عزت و وحدت قائم تھی، سلطان عبدالحمید خاں ثانی نے جن کی شخصیت پر سے اب وہ سب پردے اٹھائے جارہے ہیں، جو اُن کے معاندین، اور مغربی سیاست دانوں، اور تاریخ نویسوں نے ڈال دیئے تھے، اور یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ وہ اسلام کے عظیم ترین سلاطین میں شمار ہونے کے قابل ہیں، اور عہدِ اخیر میں اسلام و مسلمانوں کی عزت و ناموس کے وہ سب سے بڑے محافظ تھے، اس خلافت کے منصب میں جان ڈال دی، اور اس کو ایک بار پھر ساری دنیا کا مرکزِ توجہ بنا دیا، ان کے انخلاء اور سلطان عبدالمجید (ثانی) کی معزولی اور الغاء خلافت کے نامبارک اقدام نے جو ۱۹۲۴ء میں عمل میں آیا، (جس سے بڑھ کر نامبارک قدم شاید اس صدی میں نہیں اٹھایا گیا)، ساری دنیا کے مسلمانوں

کی کمر توڑ دی، دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر ہوگئی، مقاماتِ مقدسہ اغیار کے قبضہ میں چلے گئے، اسرائیل کی نئی حکومت وجود میں آئی۔ عالمِ اسلام عام طور پر، اور ممالکِ عربیہ خاص طور پر لاوارث بن کے رہ گئے، جن کی طرف سے کوئی بولنے والا، اور ان کی حمایت میں انگلی ہلانے والا نہیں رہا حقیقتاً اگر مسیحی یورپ کسی مسلم نژاد قائد کا سب سے زیادہ ممنونِ احسان ہو سکتا ہے، اور اس کو اپنا محسنِ اعظم سمجھ سکتا ہے، تو وہ کمال اتاترک کی ذات ہے، جنھوں نے عالمِ اسلام کو اس سایۂ ہمایونی، بلکہ ظل اللہ فی الارض کی برکت سے اتنے عرصہ کے لیے محروم کردیا جس کا علم صرف خدائے علیم وخبیر کو ہے،

ہمارے اس تحتی بر اعظم نے خلافت کے ساتھ دتحریکِ خلافت کی شکل میں، جس گہرے تعلق واہتمام، اور اس کے الغاء پر جس گہرے رنج وقلق کا اظہار کیا، اس کی مثال عالمِ اسلام میں نہیں ملتی، اور ابھی اس کے شاہدِ عینی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

خلافت یا امامتِ کبریٰ کے علاوہ مسلمانوں کو منظم ومربوط رکھنے کے لیے، ان کے تعلقات کو آپس میں استوار وخوشگوار بنانے، اہلِ حقوق کو ان کے حقوق پہونچانے، ان کی عائلی زندگی کو شرعی احکام کے مطابق گذارنے، ان کے زکوٰۃ وصدقات کو صحیح مصارف میں صرف کرنے، ان کے تنازعات کا مستند قضاۃ اور شرعی عدالتوں کے ذریعہ فیصل کرانے، ان کو خلافتِ کبریٰ کے برکات میں سے حسبِ موقعہ

ومحل حصہ دلانے، اور اس کی برکتوں کو دیکھ کر قیام خلافت کا متمنی، اور اس کے لئے ساعی وکوشاں بنانے کے لیئے شریعت اسلامی نے جزئی اور مقامی طور پر بھی امارت کے نظام قائم کرنے، اور ایک امیر کے ماتحت سفر وحضر میں رہنے کی تاکید ووصیت فرمائی، اور اس کو اتنی اہمیت دی، کہ فرمایا:۔

من استطاع منکم ان لاینام نومًا ولایصبح صبحًا الاوعلیہ امام فلیفعل، [۱]	اگر تم میں سے کسی سے یہ ممکن ہو کہ بغیر کسی کو امام مقرر کیئے نہ رات گذارے، نہ صبح کرے تو ایسا ضرور کرے۔

اسی طرح سے ارشاد ہوا:۔

اذا کان ثلاثۃ فی سفر فلیؤمروا احدھم، [۲]	اگر کسی سفر میں تین آدمی بھی ہوں تو اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں۔

ایسی زندگی کو جس میں نہ امارت کا کوئی نظام ہو، نہ کوئی آمر ہو نہ مامور، نہ کوئی قانون ہو نہ دستور، ہر شخص اپنی جگہ پر آزاد، اور شتر بے مہار ہو، اور اپنی من مانی کرتا ہو، جاہلیت کی زندگی کہا گیا ہے، اور اس کے لیئے بڑی وعید آئی ہے، یہاں پر صرف ایک حدیث پر اکتفا کیا

---

[۱] ابن عساکر، روایت ابوسعید خدری رضؓ وعبداللہ بن عمر رضؓ۔

[۲] سنن ابی داؤد، روایت حضرت ابوسعید خدری رضؓ۔

جاتا ہے، فرمایا گیا :-

من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ فمات میتۃ جاھلیۃ۔ ومن قاتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب لعصبیۃ او یدعو لعصبیۃ او ینصر عصبیۃ، فقتل، فقتلتہ جاھلیۃ، ؎	جو طاعت سے خارج اور جماعت سے علحدہ ہوا تو اس کی موت جاہلی ہو گی، اور جو کسی اندھا دھند جھنڈے کے نیچے جنگ کرے، کسی جتھہ بندی کی حمایت میں، یا کسی جتھہ بندی کی دعوت یا نصرت میں، اور پھر اس سلسلہ میں مقتول ہو، تو اس کی موت جاہلی ہو گی۔

اسی طرح نکاح و طلاق، خلع، مفقود الخبر اور کتنے فقہی مسائل ہیں، جن پر خالص شرعی طریقہ پر عمل کرنے کی صورت امارت اور اس کے مقرر کیئے ہوئے قضاۃ کے سوا نہیں،

اسی حقیقت کے پیشِ نظر اس وقت بھی جب ترکی سلاطین خلافتِ اسلامیہ کے منصب کو قائم کیئے ہوئے تھے، عالمِ اسلام کے ان دور دراز گوشوں میں جہاں ان کے نائبین، ان کے مقرر کیئے ہوئے قضاۃ و محتسبین نہیں تھے، ذمہ داری کا احساس، اور دین سے گہری واقفیت، اور اسلام کی روح سے شناسائی رکھنے والے

؎ صحیح مسلم، روایت حضرت ابوہریرہ رض۔

مسلمانوں نے کسی نہ کسی شکل میں مرکز خلافت سے دوری، اور نظام شرعی سے محرومی کی تلافی کی کوشش کی، اور جگہ جگہ امارت شرعی کا محدود نظام قائم کیا، کہیں خود غیر مسلم حکومتوں نے اپنے ملک کے رہنے والے مسلمانوں کو اس کی اجازت دی کہ وہ اپنا ایک دینی سرپرست، نگراں اور قاضی مقرر کرلیں، جن کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا، ان کے اختیارات، دائرۂ عمل، ان کے احکام کے نفاذ، اور ان کے نفوذ واثر میں مقامات وحالات کے مطابق تفاوت واختلاف تھا، لیکن ان تمام اختلافات کے اندر ایک ہی جذبہ کام کرتا نظر آتا ہے، اور وہ احکام شریعت کے مطابق اجتماعی اور منظم زندگی گذارنے کی مخلصانہ کوشش۔

جہاں تک اس تحتی براعظم کا تعلق ہے جس کو پہلے ہندوستان ہی کے لفظ سے یاد کرتے تھے، اس میں نظام شرعی کے قیام، امیر کے انتخاب، اور اس سنتِ جلیل کے احیاء کی پورے عزم ونظم کے ساتھ پہلی مخلصانہ کوشش حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقائے عالی مقام کی نظر آتی ہے، یوں تو اس جماعت نے حضرت سیدؒ صاحب کے ہاتھ پر ہندوستان ہی میں ہجرت سے بہت پہلے ہی بیعت کرلی تھی، اور وہ عملاً پورے نظام شرعی پر کاربند، اور اپنے

لہ امیر شکیب ارسلان کے حواشی "حاضر العالم الاسلامی" اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کے خطبات ومضامین میں اس کے متعلق اشارات ملیں گے۔

امام وقائد کے فیصلوں کی پابند تھی، لیکن جب ۱۲۴۲ھ میں یہ حضرات ہندوستان سے ہجرت کرکے صوبہ سرحد پہونچے، اور انھوں نے جہاد کا آغاز کیا اور حضرو کے چھاپہ میں ان کو پہلی بار اس کا تجربہ ہوا، کہ ان کے ان مہاجر ساتھیوں کے علاوہ جنھوں نے سید صاحبؒ کے دامنِ عاطفت میں پوری اسلامی تربیت پائی تھی، اور آپ کے ہاتھ پر بیعت سلوک وامامت کی تھی، مقامی باشندے کسی نظام کے پابند نہیں ہیں، حملہ اور مالِ غنیمت کے معاملہ میں ان سے بہت سی بے عنوانیوں کا ظہور ہوا، تو جماعت کے اہل شوریٰ اور اہل الرائے کا (جن میں یقینی طور پر "منصب امامت" کے مصنف، اور عمیق النظر عالم مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ پیش پیش رہے ہوں گے) اس پر اتفاق ہوا کہ امیر کا انتخاب اور اس کی اطاعت، اور نظام شریعت کے قائم کیے بغیر نہ صرف یہ کہ یہ سرگرمیاں اور احکام وحدود شرعیہ کا اجراء شرعی طریقہ پر ممکن نہ ہو سکے گا، بلکہ دینی وشرعی طریقہ پر جماعتی زندگی گذارنی بھی مشکل ہو گی، اس وقت ہندوستان عملاً خلافت وامارت کی برکات سے محروم تھا مسلمان سلاطین کے مختلف خاندانوں نے بالخصوص آخری مغل فرمانرواؤں نے اس کا رشتہ نہ صرف خلافت اسلامی سے، بلکہ نظامِ شرعی سے بھی تقریباً منقطع کر دیا تھا، اور بظاہر اس وقت اس کو زندہ اور فعّال بنانے کا کوئی امکان نہ تھا، خود یہ ملک ایک مستقل دنیا، اور بہت سی خصوصیتوں کی بناء پر عالمِ اسلام کی قیادت کی اہلیت رکھتا تھا،

غرض یہ کہ پورے غور و فکر کے بعد ۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۱ر جنوری ۱۸۲۷ء کو ایک ایسی جماعت نے جو ہندوستان کے علم و دین کی بہترین نمائندہ، کتاب و سنت کے اسرار پر گہری نظر رکھنے والی، اور زہد و تقویٰ کا عطر تھی، آپ کے ہاتھ پر بیعت امارت کی اور آپ کو اپنا امیر شریعت منتخب کیا، یہ امارت شرعیہ کے قیام کی وہ پہلی کوشش تھی جو اپنے اندر خلافت کی جھلک رکھتی تھی۔ اور اس کے حدودِ امارت سے آگے بڑھ کر امامت سے ہم آغوش ہو گئے تھے، اسی بناء پر اس اہم واقعہ کی اطلاع مسلمان والیان سلطنت، ہندوستان کے والیانِ ریاست، اور علماء و مشائخ و عمائد ہندوستان وافغانستان و ترکستان کو دی گئی، اور ان حضرات کے خطوط مسرت و مبارکباد کے آئے، اور بہت جگہ سے اس کی منظوری، اور اس نظام کو قبول کرنے کی اطلاع بھی ملی،

سید صاحبؒ کی شہادت بالاکوٹ ۲۴ر ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ ۶ر مئی ۱۸۳۱ء کے بعد سے امامت تو امامت، امارت شرعی کا قیام بھی ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ گیا،

انگریزوں کے عہدِ حکومت کے آخری دور میں جب تحریکِ خلافت نے مسلمانوں کے دینی و ملی شعور کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، انتشار و پراگندگی کی زندگی، اور اس کے بدترین نتائج ان کی آنکھوں کے سامنے آئے، مختلف بیرونی و اندرونی اسباب کی بناء پر اجتماعی زندگی

کا جذبہ ان کے اندر بیدار رہا، الغاء خلافت نے ان کے دلوں کو زخمی کر کے رکھ دیا، انگریزی عدالتوں کے فیصلوں، غیر مسلموں کی تقلید، موروثی وعرفی قوانین وراثت، اور روایات وعادات، شریعتِ اسلامی سے انحراف، اور اس نعمتِ عظمیٰ کی ناقدری کی نحوستیں، مسلمان عورت کی مظلومی، اور نظامِ امارت کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اس کا صحیح حق دلانے، اور اس کو مصائب ومشکلات سے بچانے کی دقتوں نے (جنھوں نے کبھی اس کو ارتداد، اور کبھی اس کو حرام کے سایہ میں پناہ لینے پر آمادہ کر دیا) ان کی آنکھیں کھول دیں، اور ان میں سے حساس اور دردمند اصحاب کی راتوں کی نیند حرام کر دی،

یہ بے چینی ہندوستان میں اپنے اپنے مبلغ علم، اور اپنی اپنی دردمندی اور احساس کے درجہ کے مطابق عام تھی، لیکن اس سلسلہ میں قیادت ورہنمائی، اور سبقت واولیت کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مولانا ابوالمحاسن محمد سجّاد صاحب بہاری کی قسمت میں رکھی تھی، ہندوستان میں شاید بہت کم لوگ اس سے واقف ہیں، کہ مولانا کو اگرچہ علمی حلقوں میں وہ ناموری، اور شہرت حاصل نہیں ہوئی، جس کے وہ مستحق تھے، لیکن میرے محدود علم میں ان کا جیسا دقیق النظر اور عمیق العلم عالِم دُور دُور نہ تھا، فقہ بالخصوص اصولِ فقہ پر اُن کی بڑی گہری نظر تھی، سیاست وتمدن اور تاریخ کا بھی انھوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، خاص طور پر قانونی ودستوری باریکیوں

اور ہندوستان کے دستور اور سیاسی نظاموں سے وہ گہری دل چسپی رکھتے تھے، اور ان کا انھوں نے بنظرِ غائر مطالعہ کیا تھا، ان کے تکلم وخطابت، اور تحریر وانشاء کے حصہ کی قوت وصلاحیت بھی (جس سے ان کے بہت سے معاصرین نے عام طور پر بڑی فیاضی سے کام لیا) مسلمانوں کے موجودہ حالات، مستقبل کے خطروں اور ہندوستان میں ان کے مقام کے تعین کے مسئلہ پر صرف ہوئی تھی، وہ بدلتے ہوئے ہندوستان کو اپنی چشمِ بصیرت سے اس طرح دیکھ رہے تھے، جیسا کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اس وقت چشمِ بصارت سے بھی نہیں دیکھ پا رہے ہیں۔ وہ اقبال کی زبان میں ہر وقت زبانِ حال سے گویا تھے ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

مجھے دارالعلوم دیوبند میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح کے دولت کدہ پر ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۱ء میں پہلی بار اُن کی زیارت، اور بار بار ان کی مجلسوں اور صحبتوں میں شرکت اور یکجائی کی سعادت حاصل ہوئی، میں نے مولانا مدنی رح کو کسی کا ان سے زیادہ احترام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ میری نوعمری اور طالب علمی کا زمانہ تھا، اس لیے میں ان کے علمی وذہنی مقام کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا تھا، پھر جب خوش قسمتی سے ان کا مولانا مدنی رح کی رفاقت میں دو تین ہفتے برادر معظم ڈاکٹر سید

عبدالعلی صاحب کے مکان پر لکھنؤ میں مدح صحابہؓ کی تحریک کے سلسلہ میں ۱۹۳۸ء میں قیام رہا، تو میں نے ان کو اور زیادہ قریب سے، اور علم و شعور کی اس منزل میں دیکھا۔ جب مطالعہ و تجربہ کچھ آگے بڑھ چکا تھا پھر اپنے محبوب و مخلص دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی جو اُن کے نہایت گرویدہ اور معتقد تھے، اور جنھوں نے ان کے حالات و کمالات کے تعارف میں "محاسنِ سجاد" کے نام سے کتاب لکھی ہے، جو ان کی سب سے بہتر سوانح کہی جا سکتی ہے، ان کے متعلق بہت کچھ سنا، ان کے علاوہ فاضل گرامی مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحؒ، اور حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی رحؒ سے ان کے متعلق بلند کلمات سنے۔ رفیق محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر "الفرقان" بھی مولانا کے متعلق میری معلومات کا ذریعہ ہیں، اور وہ دین و علم کے بعض شعبوں میں ان کی انفرادیت کے قائل ہیں۔

غرض امارت شرعیہ کے قیام کی تحریک، اور اس کا علمی و فقہی و دستوری خاکہ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دلِ دردمند، و فکرِ ارجمند کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے اس عہد اخیر میں وہ عظیم ملی خدمت لی، جس کی نظیر (مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتِ تبلیغ کو چھوڑ کر) اس نصف صدی میں نہیں ملتی، ان کے ذریعہ سے ہندوستان کی ایک اہم اور مردم خیز ریاست (صوبہ بہار و اڑیسہ) امارتِ شرعیہ کے برکات سے متعارف و مستفید ہوئی، اس تحریک

کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس کو اپنے پہلے ہی مرحلہ میں حضرت مولانا سیّد محمد علی مونگیری رح بانی و ناظم اول ندوۃ العلماء کی تائید و حمایت، اور بقیۃ السلف حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب کی سرپرستی حاصل ہوئی، آخرالذکر اس کے امیر اول منتخب ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مقبولیت عامّہ، وجاہتِ دینی، اور ہر طبقہ کا اعتماد عطا فرمایا تھا، اس کی وجہ سے یہ کوشش جلد بار آور، قابلِ اعتماد، اور سارے ہندوستان کی مرکزِ توجہ بن گئی، بہار واڑیسہ کا صوبہ بھی بڑا خوش قسمت ہے کہ اس کا پہلا تجربہ، اور اس شجرِ طوبیٰ کا پہلا ثمر شیریں اس کے حصہ میں آیا، میں نے کئی بار یہ بات کہی ہے کہ اگر مجھے ہندوستان کے کسی صوبہ پر رشک آتا ہے، تو بہار پر، اور اگر بہار پر رشک آتا ہے، تو امارتِ شرعیہ کی وجہ سے، کہ وہاں کے مسلمان اس کی بدولت ایک ایسی زندگی گذار رہے ہیں، جو معتبر اسلامی زندگی سے قریب تر، اور جاہلی و غیر اسلامی زندگی سے بعید تر ہے،

مولانا شاہ بدرالدین صاحب رح امیر شریعت اول بہار کے بعد ان کے خلیفہ و فرزندِ ارجمند مولانا شاہ محی الدین صاحب امیر شریعت مقرر ہوئے، ان دونوں بزرگوں کی موجودگی میں مولانا محمد سجاد صاحب رح بدستور نائب امیر شریعت رہے، اور وہی درحقیقت اس پورے نظام کا دماغ، اور مرکزِ اعصاب تھے، امیر شریعت کی شکل میں قلبِ دردمند، اور نائب امیر شریعت کی شکل میں

ذہنِ بیدار اس نظام کو حاصل تھا، دل و دماغ کے اس تعاون نے اس نظام میں وہ اعتدال و توازن، اور عوام و خواص کا وہ اعتماد پیدا کر دیا، جو ایسی عظیم تنظیم اور تحریک کے لیے ضروری ہے۔ افسوس ہے کہ ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں مولانا سجاد صاحبؒ نے وفات پائی۔ یہ خلا پُر ہونا بظاہر حالات آسان نہ تھا، لیکن رضا بالقضاء کے سوا کیا چارہ تھا۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ میں امیر شریعت ثانی نے بھی رحلت فرمائی، اور حضرت مولانا شاہ قمر الدین صاحبؒ کا بحیثیت امیرِ ثالث انتخاب ہوا۔ ۱۳۶۷ھ میں امیر شریعت ثالث نے بھی رحلت کی۔

اب ملک کے حالات اتنی تیزی سے بدلتے جا رہے تھے، کہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایک نیا ہندوستان وجود میں آ رہا تھا جس میں مسلمانوں کی بحیثیت ایک حامل شریعت، اور صاحب شخصیت و دعوت ملت کے جس کے متعلق ترجمان حقیقت نے صحیح طور پر کہا تھا ؎

اپنی ملّت کو قیاس اقوامِ غالب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

کے کام اور مقام کا تعین، اور ہندوستان کے سیاسی، تمدّنی اور قانونی چوکھٹے میں اس کو ایسی جگہ دلانا جو اس کے عقیدہ اور نظامِ زندگی کے مطابق، اور ایک آزاد جمہوری ملک میں ممکن العمل ہو، خاص ذہنی و علمی صلاحیتوں کا طالب تھا، اس کے لیے علمی و دینی رسوخ،

واستقامت کے ساتھ، ذہن کی وسعت، حالاتِ حاضرہ سے باخبری، سیاسی تحریکات، اور قانونی ودستوری تبدیلیوں سے گہری واقفیت، مل کر کام کرنے، اور دوسروں کا تعاون واعتماد حاصل کرنے کی صلاحیت، جمود وتجدد کے درمیان نقطۂ اعتدال، عملی جد وجہد، اور مستعدی وسرگرمی کی عادت۔ یہ سب صلاحیتیں درکار تھیں، جو جدید ہندوستان کے ایک ایسے خطّہ کے امیر شریعت کے لیئے لابدی ہیں، جو سیاسی وعملی بیداری کا ایک بڑا مرکز ہے۔

چنانچہ جب انتخاب کا مسئلہ سامنے آیا، تو بعض ایسے لوگوں نے جن کی حالات پر نظر تھی، اور زمانہ کی نزاکت کا احساس رکھتے تھے، ازخود مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کے انتخاب کا مشورہ دیا، اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا، چنانچہ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں سوپول ضلع دربھنگہ کے مقام پر ایک بڑے اجتماع میں ان کا بحیثیت امیرِ شریعت رابع انتخاب عمل میں آیا۔

پھر واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ انتخاب برمحل تھا، ان کے دورِ امارت میں امارت کا کام زیادہ وسیع اور منظم ہو گیا، کئی نئے شعبوں کا آغاز ہوا۔ دارالقضاء کھلے، قاضیوں کے فیصلے کی اپیل کے سلسلہ میں شرعی فیصلوں کی اہمیت، اور ان کے احترام کا اظہار ہوا، قضاۃ کی تربیت کا نظم کیا گیا، قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا، سندِ قضاء دینے کا سلسلہ شروع ہوا، دارالافتاء کی مزید تنظیم

ہوئی، بیت المال کی توسیع ہوئی، تحفظ مسلمین اور تبلیغ کے شعبے قائم ہوئے گاؤں اور اضلاع سے ربط قائم کیا گیا، مسلمان عورتوں کے حقوق کی نگرانی، مشرکانہ مراسم، اور اخلاقی مفاسد اور عادات بد کی مخالفت اور اصلاح ذات البین کی کوششوں کو تیز کیا گیا، مختلف قوموں اور برادریوں کی اصلاح کا قدم اٹھایا گیا۔ فرقہ وارانہ فسادات میں مفید خدمات انجام دی گئیں۔ نئے پیدا ہونے والے مسائل میں جو نئی قانون سازی کے نتیجہ میں پیدا ہوئے تھے مسلمانوں کی رہنمائی، اور حکومت کو توجہ دلائی گئی۔

اسی طرح کے بہت سے کام ہیں، جو امیر شریعت رابع اور ان کے لائق رفقاء و شرکاء کار کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں۔

آخر میں مسلم پرسنل لاء کے سلسلہ میں وہ جو قائدانہ کردار ادا کر رہے ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں،

کوئی انسانی کوشش نقائص، اور کوئی شخصیت کمزوریوں سے پاک نہیں قرار دی جا سکتی۔ ''فلا تزکوا انفسکم'' تجربہ کاروں نے یہ بھی کہا ہے، اور صحیح کہا ہے کہ

"نہ کردن یک عیب و کردن صد عیب"

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، اور خود امیر شریعت کی ذات بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔

اس لیئے دونوں کو تنقید و اعتراض سے مفر، اور مشورہ و نیک صلاح سے استغنا نہیں۔

یہ بھی صحیح ہے کہ ابھی یہ نظام ان دو طویل و عریض ریاستوں میں بہت محدود پیمانے پر ہے، اس کو جتنا وسیع ہونا چاہیئے ابھی اتنا وسیع نہیں۔

بہار میں خصوصیت کے ساتھ ابھی بہت سے مسائل اور زندگی کے شعبے توجہ طلب ہیں، بہت سے رسم و رواج جو مسلمانوں نے غیر مسلموں اور برادرانِ وطن سے سیکھے ہیں، مسلمانوں کی زندگی کو عذابِ جان، اور شادی کو غمی میں تبدیل کیئے ہوئے ہیں، ان سب کی طرف امارت شرعیہ کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

علّامہ اقبال کی زبان میں یہ صدا اب بھی امارت کے تمام کارکنوں کے کان میں آرہی ہے، ؎

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں

ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

ضرورت تھی کہ امارت شرعیہ کی تاریخ شرح و بسط کے ساتھ لکھی جائے، اس کی دینی و شرعی بنیادوں، محرکات و اسباب، جس ماحول اور پس منظر میں اس کا قیام عمل میں آیا، اس کے لیئے مختلف زمانوں میں

جو کوششیں کی گئیں، اور اس بارے میں جتنی کامیابی ہوئی، آزاد ہندوستان میں اس کے قیام کی ضرورت، اس کے اولین داعیوں، اور بانیوں کی خدمات و مساعی جمیلہ، اس کے عہد بعہد ارتقاء اس کے مسلمانوں کی زندگی پر اثرات۔ اس سب پر ایک مؤرخ اور فقیہہ کی حیثیت سے روشنی ڈالی جائے، اور اس کا جائزہ لیا جائے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ مشکل اور نازک کام ہمارے فاضل دوست مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی کے سپرد ہوا، جو ہر طرح سے اس کے اہل ہیں، ان کی فقہ پر بھی گہری نظر ہے، عرصہ سے وہ دارالعلوم دیوبند جیسے مرکزی ادارہ کے دارالافتاء میں کام کر رہے ہیں، انھوں نے دارالعلوم کے فتاویٰ کو مرتب کیا ہے۔

اسی کے ساتھ دارالعلوم کے وسیع کتب خانہ کے نوادر و مخطوطات کا تعارف بھی کرایا ہے۔ وہ متعدد فاضلانہ تصانیف کے مصنف ہیں، جو ندوۃ المصنفین دہلی کے جیسے مؤقر ادارہ سے شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ذہن میں اعتدال، اور قلم میں احتیاط ہے۔ مقام مسرت ہے کہ انھوں نے اس کام کی تکمیل کر دی، اور اب یہ کتاب

"امارت شرعیہ، دینی جد وجہد کا روشن باب" کے نام سے قارئین کے سامنے ہے۔

افسوس ہے کہ کتاب ابھی پریس سے باہر نہیں آئی تھی، کہ مجھے بیرونِ ملک کے ایک سفر پر روانہ ہونا پڑا، اس لیئے میں اس کو بالاستیعاب نہیں پڑھ سکا،

میری واقفیت اجمالی ہے، لیکن اس کی ترتیب وفہرست مضامین سے اندازہ ہوا، کہ انھوں نے اس کام کو عالمانہ ومؤرخانہ شان سے انجام دیا۔ اور اس موضوع پر بہت اچھا مواد جمع کر دیا ہے۔

امید ہے کہ اس سے ایک اہم کام کی تکمیل، اور ایک مفید خدمت کا اضافہ ہوگا۔

اب جبکہ ہندوستان کی بعض دوسری ریاستوں میں بھی امارت شرعیہ کے قیام کے لیئے اقدام کیا جا رہا ہے، اور ابھی بالکل حال میں ریاست کرناٹک میں امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا ہے، اس کتاب سے

بہت کچھ بصیرت و رہنمائی حاصل کی جائے گی۔
و باللہ التوفیق۔

ابوالحسن علی ندوی
دائرہ شاہ علم اللہؒ
۲؍ ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ
۲۵؍ اپریل ۱۹۷۴ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دینی جدوجہد کا روشن باب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اللہ تعالیٰ مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب قدس سرہ (م ۱۳۵۹ھ) کو اپنی بے انتہا رحمتوں سے نوازے، جنھوں نے اپنی مخلصانہ جدوجہد، علماء و مشائخ اور ارباب حل وعقد کے اتفاق رائے سے دینی تنظیم امارت شرعیہ کی صوبہ بہار واڑیسہ میں داغ بیل ڈالی، اور اس شرعی تنظیم کے نہ ہونے سے مسلمانوں کی زندگی میں جو خلا تھا اسے پُر کرنے کی سعی فرمائی۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ دینی ادارہ اپنے قیام (۱۳۳۹ھ) سے لے کر اب تک مسلمانانِ بہار واڑیسہ اور اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دے رہا ہے۔

احقر اپنی طالب العلمی کے ابتدائی ایام میں اپنے شفیق ترین اساتذہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ، موجودہ نائب امیر شریعت اور مولوی سید محمد قادری صاحب سے امارت کی دینی اہمیت وضرورت سنتا رہا، پھر حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قریب سے دیکھا اور ان کی باتیں بھی سنیں۔

ادھر جب عقل وشعور اور علم وعمل کے میدان میں قدم رکھا اور حالاتِ زمانہ کا تجربہ ہوا تو اپنے مطالعہ وتحقیق کے نتیجہ میں "امارت شرعیہ" جیسی شرعی تنظیم کی ضرورت واہمیت اور اس کی افادیت کا یقین دل ودماغ میں اور بھی راسخ ہوتا چلا گیا، اور اب تو

بحمداللہ پورا ملک ہی اس کی عظمت و افادیت کا معترف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پچھلے دنوں امارت شرعیہ پر جب کچھ لکھنے کی بات سامنے آئی تو اس علمی اور دینی خدمت کو خاکسار نے بڑی خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔

زیر نظر کتاب اسی کاوش و محنت کا ثمرہ ہے جو اہل علم، ارباب فضل و کمال اور عوام کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ میری یہ حقیر مگر مخلصانہ خدمت اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور اسے ملک و ملت کے لئے صلاح و فلاح کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

آخر میں اُن حضرات کا شکریہ ضروری ہے جنھوں نے اس سلسلہ میں میری علمی مشوروں سے مدد فرمائی۔

طالب دعا،
محمد ظفیر الدین غفرلہٗ
مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند
ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسہ

آج سے باون (۵۲) سال پہلے قائم ہوئی۔ اس شرعی تنظیم و ادارہ کے مؤسس و بانی مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ (مولود ۱۲۹۹ھ متوفی ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء) تھے، آپ نے "امارتِ شرعیہ" کی اسکیم کو بروئے کار لانے کے لیے صوبہ و بیرونِ صوبہ کے علماء اور مفکرین سے مختصر اور طویل ملاقاتیں کیں ہندوستان کے سیاسی حالات ان کے سامنے رکھے۔ مسلمانوں کی زندگی کا نقشہ کھینچا اور پھر ان حالات میں قرآن کا مطالبہ، مسئلہ کی نوعیت اور مسلمانوں پر عائد ہونے والے فرائض کی تفصیل و تشریح کی، نیز اس باب میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات خواہ وہ علم و شریعت کے راستے سے ہوں، یا دنیا و مصلحت کی راہ سے، دور فرمائے۔

مولانا علیہ الرحمۃ نے پوری دلسوزی کے ساتھ یہ مسئلہ وقت کے اولیاء اللہ اور علماء کے سامنے رکھا اور پورے شرح صدر کے ساتھ قطب العالم مولانا سید محمد علی مونگیریؒ (مولود ۳ر شعبان ۱۲۶۲ھ مطابق ۲۸ر جولائی ۱۸۴۶ء المتوفی ربیع الاول ۱۳۴۶ھ ستمبر ۱۹۲۷ء) اور بدر الکاملین حضرت مولانا شاہ بدر الدین

پھلواروی رح (المتوفی سنہ ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۵ء) نے مولانا کی تائید فرمائی۔ پھر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رح کی صدارت میں علماء و اربابِ حل وعقد کا اجتماع منعقد ہوا جس میں "امارت شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ" کا قیام اور امیرِ شریعت اوّل کا انتخاب عمل میں آیا۔

قیامِ امارت کا پسِ منظر

"امارتِ شرعیہ" کا قیام کیوں ضروری تھا؟ اس سوال کا جواب انیسویں صدی کی تاریخ سامنے رکھے بغیر نہیں دیا جا سکتا، اس لئے مذکورہ بالا سوال کے حل کے لئے ہمیں کچھ پیچھے لوٹنا ہوگا۔

ہندوستان جو سینکڑوں سال سے مسلمان حکمرانوں کے ماتحت تھا، اور جہاں ہر شخص کو مذہب کی آزادی حاصل تھی، سنہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا، اور پورے ملک پر نصاریٰ کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور اس آخری مرحلہ میں انگریزوں نے مسلمانوں کو اس طرح تباہ و برباد کیا، کہ مسلمان اپنی تمام چیزوں سے محروم ہو گئے، حد یہ ہے کہ ان کے لئے اپنے مذہب پر قائم رہنا بھی مشکل ہو گیا۔ اسلامی مدارس اور مراکز ایک ایک کر کے ختم کر دیئے گئے۔ اور مسلمانوں کا نظامِ ملّی برباد کر دیا گیا۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد

انگریز اس ملک میں تاجر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ ۱۱ر جنوری سنہ ۱۶۱۳ء کو جہانگیر (متوفی سنہ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) نے اپنے شاہی فرمان کے ذریعہ انھیں سورت، احمد آباد وغیرہ میں تجارتی مراکز قائم کرنے کی اجازت دے دی۔

تجارت سے حکمرانی تک

شاہ جہاں نے بھی ان کے ساتھ رعایت و مروت کا ہی معاملہ کیا، اور حتی الوسع تجارتی حقوق میں سہولت و وسعت ہی بخشی، البتہ عالمگیر رح نے محسوس کیا کہ ان کا قیام یہاں ملک کے لئے مہلک ہے۔ چنانچہ

انھوں نے اپنے دورِ حکومت (۱۰۹۸ھ ۱۶۸۶ء) میں ان کو ہندوستان سے نکال دیا، لیکن پھر شاہ فرخ سیر نے انھیں تجارت کی اجازت دے دی، اور ۱۷۱۷ء میں ان کی تجارت کو مخصوص ٹیکسوں اور چنگی سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ اور اس کے ساتھ کلکتہ کے آس پاس کے گاؤں بھی کاروبار کے لیئے مفت دیدیئے، اور یہی زمانہ ہے جس میں انگریزوں نے "فورٹ ولیم" کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کیا، اور اس طرح انگریز ۱۱۲۰ھ ۱۷۰۷ء میں اس ملک کے مختلف علاقوں میں جم گئے۔ پہلے صوبۂ مدراس پر قبضہ کیا، پھر بنگال میں انھوں نے اپنے بال و پر نکالے، اور ۱۷۵۷ء میں دفعۃً سراج الدولہ پر حملہ کر دیا۔ سراج الدولہ کے وزیرِ اعظم میر جعفر کی غداری سے پلاسی کا میدان انگریزوں نے جیت لیا، اور سراج الدولہ شہید ہوا۔

۱۱۷۹ھ ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم ثانی نے جو انگریزوں کا پنشن خوار تھا، باضابطہ بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی چند شرائط کے ساتھ بمعاوضہ ۲۱ لاکھ روپے سالانہ ان کے حوالہ کر دی۔ اس کے بعد انگریز اس ملک کے مالک بن بیٹھے۔ اور الٰہ آباد سے لے کر آسام کے کنارے تک ان کی حکمرانی قائم ہو گئی۔

دہلی پر انگریزوں کا حملہ اور تسلّط

مسلمان حکمرانوں کی دلّی مرحوم میں جو تھوڑی بہت عزّت باقی رہ گئی تھی، "لارڈ لیک" نے ۱۲۱۷ھ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر حملہ کر کے اسے بھی خاک میں ملا دیا۔ شاہِ عالم ثانی (متوفی ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۶ء) کو گرفتار کر لیا گیا اور یہ معاہدہ لکھوا لیا گیا کہ:۔

"شاہ عالم کی حکومت شہر، قلعہ اور اطراف دہلی (قطب مینار) تک محدود رہے گی۔ اور بقیہ تمام ملک پر انگریز کا تسلّط رہے گا

اور اب مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت بادشاہ سلامت کی جگہ "کمپنی" کے ذمہ ہوگی"

۱۸۰۶ء میں شاہ عالم ثانی کے انتقال اور اکبر ثانی (۱۸۳۷ء؁ ۱۲۵۳ھ) کے مسند آرائے حکومت ہوتے وقت اس محدود اختیار میں اور کمی کردی گئی۔ اور بادشاہ کی حیثیت نمائش سے زیادہ کچھ باقی نہ رہی۔ ان واقعات کے بعد عوام وخواص کی زبان پر یہ جملہ تھا:۔

"حکومت شاہِ عالم از دہلی تا پالم اور ملک بادشاہ سلامت کا، حکم کمپنی بہادر کا"

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا فتویٰ ان حالات میں خاندانِ ولی اللّٰہی کے چشم وچراغ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ؁ ۱۸۲۴ء) نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور اعلان فرمایا کہ:۔

دریں شہر حکم امام المسلمین اصلا جاری نیست وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است. زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم می نمایند وہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشاں دریں شہر ودر نواح آں نمی تواند آمد۔ وازیں شہر تا کلکتہ عملِ نصاریٰ ممتد است۔[1]	اس شہر (دہلی) میں مسلمانوں کے امام کا حکم بالکل جاری نہیں۔ بلکہ عیسائی سرداروں کا حکم بے تکلف جاری ہے۔ اس لیے کہ مساجد کو بے جھجک منہدم کردیتے ہیں۔ اور کوئی مسلم یا غیر مسلم ان کی اجازت اور پناہ کے بغیر اس شہر میں اور اس کے اطراف میں آ نہیں سکتا، اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کی حکومت پھیلی ہوئی ہے۔

---

[1] فتاویٰ عزیزی ص ۱۶ ج ۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی۔

اپنے اس فتویٰ میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کے "دارالحرب" ہونے کی دلیل بھی نقل فرمائی ہے:-

درکافی می نویسد ان المراد بدارالاسلام بلادٌ یجری فیھا حکم امام المسلمین و یکون تحت قھرہ۔ وبدارالحرب بلادٌ یجری فیھا امر عظیمھا و تکون تحت قھرہٖ الخ لہ	"کافی" میں ہے کہ دارالاسلام سے مراد وہ ملک ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہوتا ہو، اور جو اس کے ماتحت ہو۔ اور "دارالحرب" سے مراد وہ آبادی ہے جس پر اس شہر کے (غیر مسلم) حکمراں کا حکم جاری ہو اور اس کے غلبہ و تسلط میں ہو۔

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے کفار کے احکام کے جاری ہونے کا مفہوم بیان فرمایا ہے اور اسے ہندوستان پر منطبق کیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:-

وازروئے احادیث و تتبع سیرت صحابہ کرامؓ و خلفاء عظامؓ ہمیں مفہوم می شود، زیراکہ در عہدِ صدیق اکبرؓ ملک بنی یربوع راحکم دارالحرب دادند حالانکہ جمعہ و عیدین و اذان در آنجا جاری بود	احادیث اور سیرتِ صحابہؓ اور خلفاءِ عظامؓ کے تتبع سے یہی مفہوم ہوتا ہے اس لیے کہ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے عہد میں ملک بنی یربوع کو دارالحرب کا حکم دیا گیا، حالانکہ وہاں جمعہ، عیدین اور اذان جاری تھی۔ (فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۷ ج ۱)

غیر مسلم حکومت میں مسلمانوں کا فریضہ

جب کسی ملک میں اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر غیر مسلموں کے ہاتھوں میں چلا جائے تو اس وقت مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے میں سے کسی اہل کو "امیر" منتخب کریں،

لہ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۱۶ ج ۱ مطبوعہ مجتبائی دہلی

اور اس کی سربراہی میں زندگی گذاریں، تاکہ "کلمہ" سے پیدا شدہ وحدت اور شرعی تنظیم قائم رہ سکے۔ ردالمحتار میں ہے:۔

وفی الفتح اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ھو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیھم الکفار کقرطبۃ الآن۔ یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منھم یجعلونہ والیاً فیولی قاضیاً اویکون ھوالذی یقضی بینھم وکذا ینصبوا اماماً لیصلی بھم الجمعۃ۔ (ردالمحتار کتاب القضاء صـ۴۲۷ ج۴)۔

فتح القدیر میں ہے کہ جب کسی ملک میں نہ سلطان ہو، اور نہ ایسا حاکم جس کی طرف سے (حاکم یا قاضی کا) مقرر کیا جانا درست ہو جیسا کہ آج قرطبہ وغیرہ بعض ان ممالک کا حال ہو گیا ہے جہاں کفار کا غلبہ ہے تو ایسے حالات میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص پر متفق ہو کر اسے اپنا والی قرار دے لیں پھر وہ والی قاضی مقرر کرے، یا خود وہ ان کے مابین قضا کے فرائض انجام دے اور اسی طرح (اگر والی مقرر نہ کیا ہو، یا والی کو امام مقرر کرنے کا موقعہ نہ ملا ہو تو) چاہیئے کہ وہ امام مقرر کریں تاکہ وہ انھیں نماز جمعہ پڑھائے۔

مذکورہ بالا تصریحات اس امر کو واضح کرتی ہیں کہ اگر مسلمان اپنی رضامندی

سے امیر و والی کا انتخاب کرلیں تو وہ شرعاً "امیر" ہوجاتا ہے۔ اور اسے تقرر قاضی کا حق اور اختیار حاصل ہے۔ اور مسلمانوں کے ان امور کا بھی جو اس قسم کے دار اور ملک میں انجام دینا ممکن ہیں۔

نصبِ امیر کا مشورہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ایک جگہ قیام امارت اور نصبِ امیر کا بھی فتویٰ دیا ہے۔ "فتاویٰ عزیزی" میں جمعہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اقامتِ جمعہ در دارالحرب اگر از طرف کفار والی مسلمانان درمکانے منصوب باشد باذن او درست است والا مسلمانان را باید کہ یک کس را کہ امین و متدین باشد رئیس قرار دہند کہ باجازت و حضور او اقامت جمعہ و اعیاد و انکاح من لاولی لہ من الصغار و حفظ مال ایتام و قسمت ترکات متنازع فیہا علی حسب السہام می نمودہ باشد بے آنکہ در امور ملکی تصرف کند مداخلت نماید (فتاویٰ عزیزی ص۳۲ ج۱)۔

اگر "دارالحرب" میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے لیئے کوئی والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے ورنہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایک شخص کو جو امین اور دیانتدار ہو اپنا سردار قرار دے لیں۔ اور اس کی اجازت اور موجودگی کے ذریعہ جمعہ کی اقامت اور ایسے نابالغ بچوں کا نکاح، جن کا کوئی ولی نہیں ہے۔ یتیموں کے مال کی حفاظت اور ایسے ترکات کی تقسیم حسب سہام شرعی کی جاسکے جن میں نزاع ہو۔ اس کے بغیر کہ وہ امیر ملکی امور میں مداخلت کرے۔

جماعتی زندگی کی اہمیت

اور ایسا کرنا اس لیئے ضروری ہے کہ اسلام نے جماعتی زندگی کی طرف رہنمائی کی ہے، اور انتشار کی زندگی کو اس نے غیر اسلامی زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے:۔

لا اسلام الا بجماعۃٍ ولا جماعۃ الا بامارۃٍ ولا امارۃ الا بطاعۃٍ (جامع ابن عبد البر ص۶۲)	اسلام بغیر جماعت کے نہیں، جماعت بغیر "امارت" کے نہیں اور امارت بغیر طاعت کے نہیں۔

مسلمانوں کا اس طرح رہنا کہ کوئی ان کا امیر نہ ہو، جائز نہیں۔ خواہ دارالاسلام میں، خواہ دارالحرب میں۔ شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:۔

لا یجوز ترک المسلمین سدی لیس لھم من یدبّر امورھم فی دارالاسلام ولا فی دارالحرب (شرح السیر الکبیر ص۱۳۴ ج۲)۔	مسلمانوں کو اس طرح منتشر چھوڑ دینا کہ ان کا کوئی امیر نہ ہو، جو ان کے معاملات کی تدبیر و تنظیم کرے، جائز نہیں نہ دارالاسلام میں اور نہ دارالحرب میں

انگریزوں کی عہد شکنی

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ۱۸۰۳ء ۱۲۱۷ھ میں جب انگریزوں نے اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا، تو انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ:۔

"مسلمانوں کے مذہبی مقدمات کے لیئے قاضیوں کے تقرر کا حق سابق بدستور مسلمانوں کو باقی رہے گا۔"

مسلمانوں کے مذہبی قوانین کا خاتمہ

۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ ان کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک روا رکھا، اور مسلمانوں کو سماجی اور اقتصادی حیثیت سے بھی برباد کر ڈالا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ

انگریزوں نے مسلمانوں کے ایمان اور ان کی جماعتی اور مذہبی زندگی پر بھرپور وار کیا۔ محکمۂ قضا کو ختم کیا، اور انھیں اس لائق بھی نہ رکھا کہ وہ اپنی شخصی اور عائلی زندگی میں اسلامی قوانین پر عمل کر سکیں۔

ڈبلیو، ڈبلو ہنٹر نے اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں اعتراف کیا ہے:-

"مجلس قانون ساز کے ایک ایکٹ کی رُو سے ان کے مذہبی اور شخصی قوانین کو پورا کرنے کے لیئے ضروری منصب داروں سے بھی مسلمانوں کو محروم کر دیا ہے۔ اسلامی حکومت میں قاضی کے فرائض منصبی میں فوجداری، دیوانی اور شرعی عدالت کے فرائض داخل تھے۔" (ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۲۰۸)

اس انگریز مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے:-

"مسلمانوں کو ہم سے شکایت ہے کہ ہم نے ان سے مذہبی فرائض کو پورا کرنے کے ذرائع چھین لیئے، اور اس طرح روحانی اعتبار سے ان کے ایمان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ ہمارا ایک بڑا جرم ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ ہم نے مسلمانوں کے مذہبی اوقاف میں بددیانتی سے کام لیتے ہوئے ان کے سب سے بڑے تعلیمی سرمایہ کا غلط استعمال کیا۔" (ایضاً ص ۲۰۰)

قاضیوں کی اہمیت کا اعتراف

اسلامی زندگی میں قاضیوں کی جو اہمیت ہے، اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہنٹر لکھتا ہے:-

"ہم جانتے ہیں کہ با قاعدہ قاضیوں کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اپنی زندگی مذہبی قواعد کے ساتھ بسر کر سکیں۔ ان کی اجازت بعض مذہبی مراسم میں ہی ضروری نہیں، بلکہ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی میں بھی کئی ایک چھوٹے چھوٹے مسئلے ایسے پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا صحیح حل صرف قاضی ہی کر سکتا ہے۔" (ایضاً ص ۲۶۸ و ص ۲۶۹)

قاضیوں کے تقرر کی منسوخی قاضیوں کا تقرر کیوں بند کر دیا گیا؟ اس کے متعلق یہی انگریز مصنف لکھتا ہے:-

"صوبہ جات کے گورنروں میں سے ایک نے اعتراض کیا تھا کہ قاضیوں کا تقرر گویا اس بات کا اقرار ہے کہ حکومت ان کی مقدس حیثیت کو قبول کرتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم مسلمانوں کو اس امر کا حق دیتے ہیں کہ ان کا تقرر وہ بطور خود کر سکتے ہیں، چنانچہ کچھ بحث وتمحیص اور حکومتِ بمبئی کی طرف سے پُر زور احتجاج کے بعد اس مضمون پر تمام سابقہ قوانین منسوخ کر دیئے گئے۔ اور حکومت نے "باقاعدہ قاضیوں" کا تقرر بند کر دیا۔" (ایضاً ص ۲۶۶)

بہر حال یوں تو انگریزوں کی آمد سے سارے ملک کا عظیم نقصان ہوا مگر خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی مذہبی اور جماعتی زندگی کو سب سے زیادہ دھکا لگا۔ اور ان کے لیے یہاں کے ماحول میں زندگی گذارنا مشکل نظر آنے لگا۔

علماء دین کا احساسِ ذمہ داری حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحؒ کا فتویٰ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس وقت کے حالات کی وجہ سے علماء

اسلام بڑی کشمکش میں مبتلا تھے، اور "امارتِ شرعیہ" کی ضرورت اور "نصب امیر" کی حاجت کا احساس انھیں اُسی وقت ہوگیا تھا، جب اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن کر انگریزوں کے ہاتھ میں گیا، قاضیوں کا تقرر ختم ہوا۔ اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات اوران کا "پرسنل لا" بھی انگریزوں کے ہاتھ میں چلا گیا — مسلمان بادشاہ برائے نام یہاں موجود رہے۔ انھیں انگریز پنشن دیا کرتا تھا، اوران پنشن خوار بادشاہوں کے پاس نہ اپنی کوئی طاقت تھی نہ اختیار،

مسلمانوں کی جماعتی زندگی ختم ہوچکی تھی، ان کی شرعی تنظیم کا کوئی نام ونشان باقی نہ تھا، وہ ہندوستان میں غیراسلامی غیرجماعتی اور انتشار کی زندگی گذار رہے تھے، ان حالات میں مسلمانوں کے دیندار طبقہ بالخصوص علماء کرام نے "مسلمانوں کی شرعی تنظیم کو ضروری سمجھا، اور انھوں نے وقت کا سب سے اہم فریضہ سمجھ کر "نصب امیر" کی طرف قدم اُٹھایا، اور انقلابی جدوجہد کا آغاز کیا۔

حضرت سید احمد شہیدؒ کی امارت

چنانچہ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ (م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) امیر قرار پائے، اور علماء کی ایک جماعت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر سید صاحبؒ اور آپ کے ساتھیوں نے پورے ملک کا کامیاب دورہ کیا، مسلمانوں کے معاملات کے فیصلے کے لئے قاضی مقرر کیے۔ عشر، زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی وصولی کی خاطر عمّال بحال ہوئے، اور اس طرح مسلمانوں کی "شرعی تنظیم" قائم ہوئی، اوران کا اجتماعی نظام برپا ہوا کہ اس کے بغیر مسلمانوں کی زندگی انتشار وپراگندگی کی زندگی ہے، جس سے اسلام نے ہمیشہ روکا ہے۔

بہرحال حضرت سید احمد شہیدؒ کی امارت سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی

راہ بھر ہموار ہوئی۔ ۱۲۴۶ھ میں آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا، اور ۶ مئی ۱۸۳۱ء یوم جمعہ کو بالاکوٹ کے میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے رفیق اعلیٰ سے جاملے، اور آپ کے ساتھ آپ کے دست و بازو مولانا اسمٰعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء) نے بھی شہادت کا شرف حاصل کیا۔

آپؒ کے بعد "امارت" کا یہ بارِ گراں مولانا ولایت علی صادق پوری رحؒ (م ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء) کے سر آیا، اور ان کے انتقال کے بعد ان کے منجھلے بھائی مولانا عنایت علیؒ امیر منتخب ہوئے، اور اسی طرح یہ سلسلہ ایک عرصہ تک چلتا رہا۔

امارت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۵۷ء کا انقلاب آیا، اور ہندوستان کے رہنے والوں کی انگریزوں سے جنگ شروع ہوگئی۔ اس جنگ میں علماء کی ایک جماعت نے بھرپور حصہ لیا۔ اس وقت پھر یہاں ایک ایسے امیر کی ضرورت محسوس ہوئی، جن کی امارت میں یہ جنگ لڑی جائے۔ چنانچہ اس وقت کے اربابِ حل وعقد اور علماء کرامؒ نے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ) کو امیر منتخب کیا۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی "تذکرۃ الرشید" میں لکھتے ہیں:-

"یہ لوگ حاجی (امداد اللہ) صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کے گذران دشوار ہے اس لیے آپ چونکہ دینی سربراہ ہیں، اس لیے دنیاوی نظم وحکومت کا بار بھی اپنے سر رکھیں، اور "امیر المؤمنین" بن کر ہمارے باہمی فیصلے چکا دیا کریں، اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ حضرت کو ان کی درخواست

کے موافق ان کے سروں پر ہاتھ رکھنا پڑا۔ اور آپ دیوانی وفوجداری اور جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق چند روز تک "قاضی شریعت" بن کر فیصل بھی فرماتے رہے ۔۔ ادھر اعلیٰ حضرت کو حکومت کے فیصلے اور شرعی قضا میں مولوی کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے۔ اس لیے آپ یعنی مولانا رشید احمد صاحب اور مولانا محمد قاسم صاحب مع دیگر خدام کے یہیں رہ پڑے"۔

(تذکرۃ الرشید ص۴۷ ج۱)

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح تحریر فرماتے ہیں :۔

"مولانا محمد قاسم صاحب رح (متوفی ۱۲۹۷ھ) کو سپہ سالار افواج اور مولانا گنگوہی رح (م ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۵ء) کو قاضی بنایا گیا"۔

(نقش حیات ص۴۲)

۱۸۵۷ء کی یہ تحریک ناکامی پر ختم ہوئی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کو ہندوستان سے ہجرت کرنی پڑی، حضرت نانوتوی رح اور حضرت گنگوہی رح کے نام وارنٹ جاری ہوا، مولانا محمد قاسم صاحب رح محض اللہ کے فضل اور اپنے حسن تدبیر سے محفوظ رہے، لیکن حضرت مولانا رشید احمد صاحب رح گرفتار ہوئے، اور چھ ماہ کی سزا کاٹی۔

دوسری طرف ہندوستان میں "مغلیہ سلطنت" کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہوگیا، کمپنی کی فوج نے ستمبر ۱۸۵۷ء میں دہلی پر حملہ کردیا، اور ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزوں کا مکمل قبضہ ہوگیا، اور اب پورا ہندوستان انگریزی حکومت کے زیر نگین قرار پایا۔ اقتدار اور اختیار کا کوئی حصہ مسلمانوں کے ہاتھ میں باقی نہیں رہا، اور صحیح

معنیٰ میں انگریزی حکومت اقتدارِ اعلیٰ کی مالک بن گئی۔

تحریکِ شیخ الہند پھر کچھ عرصہ کے بعد شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء) نے اپنے دور میں پوری کوشش کی کہ ہندوستان غلامی سے نجات پا جائے، اور اسے انگریزوں سے چھٹکارا نصیب ہو، یہ درست ہے کہ آپ کی "امارت" کا باضابطہ اعلان نہیں ہوا۔ مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ علماء اور خواص نے آپ کے ہاتھوں پر رشد و ہدایت کی بیعت کے ساتھ "جہادِ حریت" کی بھی بیعت کی تھی، آپؒ نے انگریزوں کے خلاف خفیہ تحریک شروع کی، جو "ریشمی خطوط" کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسے "رولٹ کمیٹی کی رپورٹ" میں منظرِ عام پر لایا گیا۔

لیکن قدرت کا یہ بھی عجیب کرشمہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی یہ تحریک جب منزل سے قریب پہونچی تو راز فاش ہوگیا، اور حکومتِ برطانیہ نے تحریک سے وابستہ تمام افراد کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا، خود حضرت شیخ الہندؒ ۱۲ فروری ۱۹۱۷ء کو گرفتار کر کے مالٹا پہونچا دیئے گئے۔ اس طرح یہ تحریک بھی ناکامی پر ختم ہوگئی۔

ان انقلابی تحریکات کے ناکام اور ختم ہونے کے بعد کا زمانہ ان مسلمانوں کے لیے بڑا سخت اور نازک تھا، جو گذشتہ انقلابی دور کے علماء ربانیین سے متاثر تھے، جن کا ضمیر بیدار تھا، اور جو اسلامی سیاست کو بروئے کار دیکھنا چاہتے تھے، اور ساتھ ہی ہندوستان کی آزادی کے بھی متمنی تھے۔

شیخ الہند مالٹا میں گرفتار ہو کر نظر بند تھے، مسلمان رہنماؤں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان کی جیلوں میں بند تھی، اور جو باہر تھے وہ حکومت کی تیز نگاہوں

اور دارو گیر سے بے چین و پریشان۔

ہندوستان میں فکر و عمل دونوں کے رُخ بدل رہے تھے، ایک طرف یورپ نے اپنے مؤثر پروپیگنڈے کے ذریعہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں میں قومیت اور وطنیت کا نظریہ اسلام کے دوش بدوش لا کھڑا کیا تھا، اور مسلمان اس نظریہ کے حامی بنتے جا رہے تھے۔ یورپ کا چلایا ہوا قومی اور نسلی امتیاز کا تیر بھی اپنے نشانہ پر لگا، اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا، اور اسلامی رشتے کے باوجود وہ ایک دل اور متحد نہ رہ سکے۔

جو مسلمان رہنما عملی سیاست سے الگ تھے، اور جو علماء دینی مدارس میں درس و تدریس کی زندگی گذار رہے تھے، یا خانقاہوں میں رشد و ہدایت کا کام انجام دے رہے تھے، ان پر اس دور میں بڑی ذمہ داری عائد ہو گئی ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی بساط کے مطابق غور و فکر میں مشغول تھا کہ ہمیں اس نازک مرحلہ پر کیا کرنا چاہیئے، جو ذمہ داریاں ہمارے کاندھوں پر آگئی ہیں اس سے عہدہ برآ ہونے کی کیا راہ ہے؟۔

مُردے از غیب برون آید یہ وہ حالات تھے جس میں قدرت نے حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد علیہ الرحمۃ کو اس تاریخی عمل کے لیے منتخب فرمایا جو اگر ایک طرف مردہ سنت کا احیاء تھا، تو دوسری طرف امت کے انتشار کو تنظیم اور ان کی گروہ بندیوں کو ختم کر کے اسلامی اجتماعیت کے سانچے میں ڈھالنے والا تھا۔

مولانا ۱۲۹۹ھ میں ہندوستان کے مشہور تاریخی اور علمی مقام "نالندہ" کے مضافات میں واقع ایک گاؤں "پنہسہ" میں پیدا ہوئے۔ مختلف مدارس میں تعلیم

حاصل کی، چند ماہ دارالعلوم دیوبند میں بھی قیام رہا۔ پھر ہندوستان کے مشہور عالمِ دین استاذ الاساتذہ مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ اور مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد کے دیگر نامور اساتذہ کی خدمت میں بیٹھ کر دینی علوم کی تکمیل کی، ۱۳۲۱ھ میں سند فراغ حاصل کی۔ مولانا کے اساتذہ نے نہایت وقیع الفاظ مولانا کے بارے میں تحریر فرمائے ہیں۔ (اصل سند دفتر امارتِ شرعیہ میں محفوظ ہے)۔ فراغت کے بعد مولانا تین سال تک مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں استاذ کی حیثیت سے رہے۔ یکم محرم ۱۳۲۵ھ میں مولانا کا تقرر بحیثیت مدرس مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں ہوا۔ لیکن چند ماہ بعد ہی پھر بہار شریف واپس چلے آئے۔ پھر ذی قعدہ ۱۳۲۶ھ میں اپنے استاذ مولانا عبدالکافی صاحبؒ کے حکم پر مدرسہ سبحانیہ میں دوبارہ تشریف لے گئے اور ۱۳۲۹ھ تک وہاں قیام رہا۔ شعبان ۱۳۲۹ھ میں الٰہ آباد چھوڑ کر مولانا "گیا" تشریف لائے اور مدرسہ انوار العلوم (جسے مولانا عبدالوہاب صاحب فاضل بہاری علیہ الرحمۃ نے قائم کیا تھا، لیکن مولانا کی علیحدگی کے بعد ختم ہو چکا تھا اسے) از سرِ نو قائم کیا، اور اسے علومِ عربیہ کے مرکز کی حیثیت دی۔

ایک عرصہ تک خاموشی کے ساتھ مولانا درس و تدریس میں مشغول رہے لیکن یہ خاموشی ایک طوفان کا پیش خیمہ تھی، اور یہ سکون اندر کے اضطراب کا پتہ دیتا تھا۔

ایک خاموش شخصیت کا اضطراب

حضرت مولانا رحمہ بھی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا انھیں علماء میں تھے، جو اب تک عملی سیاسیات سے کنارہ کش ہو کر

مدرسہ انوار العلوم گیا بہار میں خاموشی کے ساتھ درس و تدریس کا کام کر رہے تھے اللہ تعالیٰ نے علم وفن میں مہارت کے ساتھ آپ کو دینی بصیرت، سیاسی فہم وفراست، معاملہ فہمی و دور اندیشی اور سب سے بڑی بات اخلاص وللہیت کی دولت سے خوب خوب نوازا تھا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

وقت اور حالات نے آپ کو بھی جھنجوڑ کر رکھ دیا، غور و فکر میں منہمک ہو گئے، تاریخ پر اچھی نظر تھی، ملک میں جو کچھ ہو رہا تھا، اس سے بھی غافل نہیں تھے۔ آپ کی نگاہِ دُور بیں دیکھ رہی تھی کہ زعمائے قوم اور بعض علماء ملت بھی قومی اور ملکی تعصب میں بری طرح گرفتار ہوتے جا رہے ہیں۔ پورے ملک میں کوئی مسلم تنظیم نہیں، مسلمان شرعی زندگی سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان دینی مسائل میں بے دست و پا ہیں، شریعت حقہ نے ایسے ملک کے مسلمانوں کو جو راہ بتائی ہے، آئینی طور سے اس پر کوئی بھی گامزن نہیں ہے۔ نکاح، طلاق، خلع، یتیموں کی دیکھ بھال، زکوٰۃ وعشر کی تنظیم، تبلیغ و اشاعتِ دین، تحفظِ مسلمین اور اس طرح کے دوسرے مسائل پر عمل کی کوئی صورت باقی نہیں رہی، ایسا نہ ہو کہ انگریزوں کے ساتھ موجودہ سیاسی جنگ میں ملت کا مفاد اور اسلامی حقوق نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں۔

ان حالات کے پیشِ نظر آپ نے طے کیا کہ مسلمانوں کی "شرعی تنظیم" قائم کی جائے۔ اور علماء و مشائخ کو دعوت دے کر جمع کیا جائے۔ اور پوری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی جائے۔

انجمن علماء بہار کا قیام چنانچہ آپ نے مدرسہ انوار العلوم گیا کے سالانہ جلسہ کے

موقعہ پر صوبہ کے علماء اور مشائخ کو دعوت دے کر جمع کیا، اور ۳۰ صفر ۱۳۳۶ھ کو مذکورہ بالا اجتماع میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے علماء و مشائخ اور ارباب حل وعقد کے سامنے ملک کے حالات اور مسلمانوں کے مسائل تفصیل کے ساتھ رکھے، اور اس موقعہ پر آپ نے یہ تاریخی کارنامہ انجام دیا کہ "انجمن علماء بہار" کے نام سے ایک "جمعیۃ" کی داغ بیل ڈال دی (تاریخ امارت ص۴۴)

مفکر اسلام حضرت مولانا محمد سجادؒ انجمن علماء بہار کے قیام کے بعد سراپا جہاد بن گئے۔ بہار کے مختلف حصوں میں خود پہونچے، علماء و مشائخ سے تبادلہ خیال کیا، اقامت دین اور قوانین خداوندی کے اجراء و تنفیذ پر گفتگو کی، اس کی شرعی حیثیت ذہن نشین کرانے کی سعی کی، علماء و مشائخ کو اس سلسلہ میں جو شکوک و شبہات تھے انھیں دور فرمایا، اور ارباب حل وعقد کو اس پر آمادہ کیا کہ "انجمن علماء بہار" کو ترقی دی جائے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ اس وقت نہ جمعیۃ علماء ہند کی داغ بیل پڑی تھی، نہ خلافت کمیٹی کا وجود عمل میں آیا تھا۔ "انجمن علماء بہار" علماء و مشائخ اور ارباب حل وعقد کی سب سے پہلی مجلس تھی، جو مفکر اسلام حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں وجود میں آئی۔

انجمن علماء بہار کا پہلا باضابطہ اجلاس

چنانچہ اسی سال سات ماہ بعد آپ نے "انجمن علماء بہار" کا مستقل اجلاس طلب کیا۔ جو صوبہ کے مشہور مقام قصبہ بہار شریف میں ۵، ۶ شوال ۱۳۳۶ھ کو منعقد ہوا۔ اجلاس میں صوبہ کے ممتاز علماء و مشائخ اور مدارس کے مشہور اساتذۂ کرام نے شرکت کی۔

مولانا رح کی جدوجہد کے دو مرکز

اجلاس کے انعقاد سے پہلے حضرت مولانا محمد سجاد رح نے دو خانقاہوں، خانقاہ رحمانیہ مونگیر اور خانقاہِ مجیبیہ پھلواری شریف (جن کا اثر و نفوذ مسلمانانِ بہار و اڑیسہ کے قلوب پر زیادہ تھا)، کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا رح مونگیر بھی تشریف لے گئے تشریف آوری سے متعلق حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح کا بیان ملاحظہ ہو

"ابھی چند مہینے ہوئے کہ وہی استھاواں کا الکن خطیب (حضرت مولانا سجاد رح) خانقاہ مونگیر اس غرض سے آیا ہوا تھا کہ علماء کی منتشر اور پراگندہ جماعت کو ایک نقطہ پر خاص سیاسی خیالات کے ساتھ جمع کیا جائے، اس وقت دلّی کی جمعیۃ علماء کا خواب بھی نہیں دیکھا گیا تھا، طے ہوا کہ صوبہ بہار کے علماء کو پہلے ایک نقطہ پر متحد کیا جائے، پھر بتدریج اس کا دائرہ بڑھایا جائے، صوبہ کی جمعیۃ علماء کے پہلے اجلاس کے لیے قصبہ بہار شریف کا انتخاب عمل میں آیا۔ مونگیر کی خانقاہ کی طرف سے جمعیۃ کی شرکت کے لیے خاکسار (مناظر احسن گیلانی رح) کو بھیجا گیا۔
حضرت شاہ سلیمان پھلواروی رح اس جمعیۃ کے پہلے صدر مقرر ہوئے خطبۂ صدارت بجائے تحریر کے تقریر کے ذریعہ پڑھا گیا۔ خاکسار کے شباب کا زمانہ تھا، جوش و خروش میں خوب دھواں دھار تقریریں کی گئیں (حیاتِ سجاد ر ۵۱، ۵۲)

انجمن علماء بہار کا یہ اجلاس بہت کامیاب رہا، اپنے فیصلوں اور تجاویز کی

روشنی میں یقیناً یہ ایک تاریخی اجلاس تھا۔

اجلاس میں منظور شدہ تجاویز انجمن علماء بہار نے جو تجویزیں منظور کیں اس سے انجمن کے بلند مقاصد اور اونچے عزائم کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی دینی و سیاسی بصیرت وجرأت مندی اور معاملہ فہمی کی کھلی ہوئی شہادت ملتی ہے۔ چند تجویزیں ملاحظہ ہوں :۔

(۱) انجمن علماء بہار نہایت زور کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ بہار کا طبقۂ علماء اپنے مناصب کا احساس کرتے ہوئے جمیع فرائض منصبی کے ادا کرنے کے لیئے ہمہ تن آمادہ و تیار ہو جائے۔ بالخصوص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قدرتی منصب پر بلاخوف و بلا لومۃ لائم کھڑا ہو جائے۔ اور اظہارِ صداقت میں کسی خطرہ کی پرواہ نہ کرے۔

(۲) یہ انجمن تجویز کرتی ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کی پاک زندگی باامن اور بے لوث رہی ہے، ان کی نظربندی سے علماء بہار کو سخت بے چینی ہے، اور حکومتِ ہند سے چاہتی ہے کہ ان کی آزادی سے تمام مسلمانوں کو مستفید ہونے کا موقعہ دیا جائے۔

(۳) مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر محمد علی، مسٹر شوکت علی اور دیگر نظربندانِ اسلام کی آزادی کے بھی ہم لوگ متمنی ہیں۔ اور ہم لوگ سیاسی بالخصوص جدید اصلاحاتِ ہند پر غور و فکر کرنے کے لیئے ان کی آزادی کو بے حد ضروری خیال کرتے ہیں۔

(۴) یہ انجمن "متولیانِ اوقاف صوبہ بہار" سے جائدادِ موقوفہ کے وقف نامہ

کی نقل طلب کرتی ہے۔ اور پھر متولیوں سے دریافت کرتی ہے کہ اس پر عمل درآمد ٹھیک ہے یا نہیں؟۔

(۵) انجمن علماء بہار اعلان کرتی ہے کہ اضحیۂ بقر، شعائر اسلام وسنت نبویہؐ ہے۔ یہ ہمیشہ حسبِ دستور برقرار وجاری رہے گی اور مواضعات دیہاتوں میں مخالفین اسلام کے دباؤ سے "ترک اضحیۂ بقر" پر جو مصالحت کی گئی ہے، وہ بالکل باطل اور ناجائز ہے۔ اور ایسے عقد مصالحت کا نقض واجب ہے۔

(۶) انجمن ایک قومی بیت المال کے قیام کی تحریک پیش کرتی ہے جس کی آمدنی دوامی چندۂ علماء وغیر علماء اور عطیات وغیرہ سے حاصل ہو اور تکمیل مقاصد "انجمن علماء بہار" اور دیگر مذہبی وقومی ضرورتوں میں صرف ہو۔"

(تاریخ امارت ص۴۷ و ۴۸)

خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء ہند انجمن علماء بہار کے اجلاس کے بعد مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ علماء اور مشائخ سے ملے۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ (متوفی ۱۳۴۴ھ ۱۹۲۶ء) سے خصوصی ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنے خیالات اور عزائم تفصیل کے ساتھ رکھے اور ان کے اثر ورسوخ کو سلیقہ کے ساتھ استعمال کیا، اور نتیجہ کے طور پر بس ایک سال کے بعد "خلافت کمیٹی" اور "جمعیۃ علماء ہند" کا قیام عمل میں آیا، چنانچہ وہ دو ابتدائی بنیادی مجلسیں جن میں یہ دونوں جماعتیں بنائی گئیں۔ ان میں مولانا سجادؒ شریک نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں دوسری خلافت کمیٹی مولانا محمد سجادؒ ہی کے ہاتھوں گیا میں اور تیسری پھلواری

شریف میں قائم ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا علیہ الرحمۃ کا دورہ اور اکابر علماء سے ملاقاتیں بہت کامیاب اور مؤثر ثابت ہوئیں۔

ناظم جمعیۃ علماء ہند کا بیان

حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ ناظم اول جمعیۃ علماء ہند نے مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے دورہ پر اپنے تاثرات ذیل کے الفاظ میں ظاہر فرمائے ہیں:۔

"اس طرح مولانا سجادؒ نے پورے ہندوستان کے علماء اور مشائخ اور ارباب بصیرت کو بیدار کرنے میں کامیابی حاصل کی، اور انھیں بہت جلد آئینی راہ پر لگا دیا۔ ایک طرف خلافت کے نام پر پورے ملک میں نظم ملت کا چرچا ہوا۔ امام المسلمین کی ضرورت پر پورے ملک کے علماء کے دستخط کے ساتھ فتویٰ شائع ہوا جس پر خود مولانا سجادؒ نے چند تائیدی سطریں لکھ کر دستخط فرمائے ہیں۔ دوسری طرف جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ہندوستان میں قیام "امارت شرعیہ" اور انتخاب امیر کی ضرورت و اہمیت پر ہر زمانہ میں آپ نے زور دیا۔"

(تاریخ امارت ص۵۳)

جمعیۃ علماء کے قیام کی بنیادی مجلس

انجمن علماء بہار تو آپ ۱۹۱۷ء ہی میں قائم کر چکے تھے جس کے ذریعہ پورے ملک کو جمعیۃ علماء کے قیام کے لیے روشنی مل چکی تھی، اور اس کے بعد آپ پورے ہندوستان کے علماء و ارباب بصیرت کو کام کی راہ بتلانے اور ان کے فکر کو صحیح سمت لگانے میں کامیاب

ہو چکے تھے، اسی کا اثر تھا کہ دلی میں چند ارباب بصیرت ہندوستان کے علماء کی تنظیم پر غور کرنے کے لیئے جمع ہوئے! اس میں بھی ہمیں مولانا سجادؒ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ اس مجلس میں مولانا نے تقریر فرمائی، اس کے اثرات کیا پڑے؟ یہ آپ ابھی ابھی جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی تحریر سے معلوم کریں گے، لیکن اس جگہ یہ بات نوٹ کر لینے کی ہے کہ دہلی کا یہی اجتماع جمعیۃ علماء ہند کے قیام کی بنیاد بنا۔

حضرت مولانا احمد سعید ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے مولانا سجادؒ سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے جو تحریر قلم بند فرمائی ہے، اس سے دہلی کے مخصوص اجتماع میں مولانا سجادؒ کی تقریر اور اس کا اثر جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے لیئے اس اجتماع کی بنیادی حیثیت، جمعیۃ علماء کا پہلا اجلاس امرت سر، اور اس میں مولانا محمد سجادؒ کی شرکت اور اپنے خیالات کا اظہار اور اعادہ ان ساری باتوں پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ ناظم جمعیۃ علماء ہند کی تحریر ملاحظہ ہو۔

"مولانا مرحوم (محمد سجاد صاحبؒ) سے سب سے پہلی ملاقات خلافت کانفرنس میں ہوئی یہ خلافت کانفرنس دہلی میں منعقد ہوئی تھی، اسی خلافت کانفرنس میں بعض اہل علم نے مشورہ کیا کہ ہندوستان کے علماء کی تنظیم ہونی چاہیئے، چنانچہ علماء کی ایک مختصر اور مخصوص جماعت کا اجتماع دہلی کے مشہور بزرگ سید حسن رسول نمارحؒ کی درگاہ پر منعقد ہوا، اس میں تمام حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، حضرت مولانا سجاد صاحبؒ

نے بھی اس جلسہ میں ایک مختصر تقریر فرمائی تھی، اس تقریر کا ایک ایک لفظ مولانا رح کے جذباتِ ایمانی کا ترجمان تھا، حاضرین کی تعداد اگرچہ دس بارہ آدمیوں سے زیادہ نہ تھی لیکن کوئی آنکھ اور کوئی دل ایسا نہ تھا جس نے اثر قبول نہ کیا ہو۔۔۔
اس جلسہ کا اثر تھا کہ جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی اور اس کا پہلا اجلاس امرتسر میں خلافت کانفرنس کے ساتھ منعقد ہوا، اس کے پہلے اجلاس میں حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد مرحوم شریک ہوئے اور انھوں نے اپنے خیالات کا پھر اعادہ فرمایا اس اجلاس کے صدر حضرت مولانا عبدالباری رح تھے۔"
(حیات سجاد صـ۵۳)

امارت فی الہند کا مسئلہ، جمعیۃ کے دوسرے سالانہ اجلاس میں

جمعیۃ علماء ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رح کی صدارت میں ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔ علماء و مشائخ کی ایک بڑی جماعت ہر صوبہ سے آئی، دوسرے ذمہ دار مسلمانوں اور ارباب حل و عقد نے بھی شرکت کی، اس موقعہ پر مولانا محمد سجاد رح نے "امارت فی الہند" کا مسئلہ پیش کیا، اور حضرت شیخ الہند رح نے اس تجویز کی بھرپور تائید فرمائی۔
حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رح نے اپنی مشہور تصنیف "تاریخ امارت" میں اس موقعہ کی تفصیلات قلم بند فرماتے ہوئے لکھا ہے:۔
"آپ (حضرت شیخ الہند رح) کا اصرار تھا کہ اس نمائندہ اجتماع

ہیں جبکہ تمام اسلامی ہند کے ذمہ دار اور ارباب حل و عقد جمع ہیں "امیر الہند" کا انتخاب کرلیا جائے۔ اور میری چارپائی کو اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جایا جائے۔ پہلا شخص میں ہوں گا جو اس امیر کے ہاتھ پر بیعت کرے گا۔" (تاریخ امارت ص۵۳)

مگر مخلصین اور اطباء کی رائے ہوئی کہ اس وقت حضرت شیخ الہندؒ بیمار ہیں انھیں تکلیف نہ دی جائے۔ صحت کے بعد یہ فریضہ انجام پائے، نجی طور پر ہوبوت میں امارت کے قیام اور امیر کے انتخاب کی بات آئی، تو البتہ اس میں مضائقہ نہیں سمجھا گیا۔ لیکن افسوس کہ اس اجلاس کے چند ماہ بعد ہی حضرت شیخ الہندؒ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، اور اس طرح "امارت فی الہند" کا مسئلہ معرض التوا میں پڑ گیا، مگر جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے برابر اس کی اہمیت کا باضابطہ اظہار و اعلان ہوتا رہا۔

امارت کا قیام مولانا عثمانی رح کی نگاہ میں

فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رح (المتوفی رجب ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء) سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس "گیا"، منعقدہ ۱۹۲۲ء کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبہ میں صراحت کے ساتھ فرمایا:۔

"ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت ہیں، اور ان کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لیے "والی" اور امیر مقرر کریں۔ دار القضاء قائم کرکے قضاۃ اور مفتیین کا

تقرر کریں۔ جمعیۃ علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے۔ اور جمعیۃ علما کے اجلاس لاہور میں یہ طے ہوا تھا کہ ایک سب کمیٹی کا اجلاس بدایوں میں منعقد کیا جائے۔ جس میں امیر شریعت کے شرائط و فرائض و اختیارات وغیرہ مسائل طے کر لیے جائیں، اور اس کے بعد انتخاب امیر کا مسئلہ پیش کیا جائے۔"

(خطبۂ صدارت جمعیۃ علماء ہند گیا منعقدہ ۱۹۲۲ء)

مولانا عثمانی رحؒ نے اپنے اسی خطبہ میں آگے چل کر "امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ" کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

"علماء و مشائخ کرام بہار کا مسلمانوں پر بھاری احسان ہے کہ انھوں نے اپنے صوبہ میں "امارت شرعیہ" قائم کر کے ایک سڑک تیار کر دی ہے، ہم ان حضرات کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ دوسرے صوبوں کے علماء بھی جلد از جلد صوبہ بہار کی تقلید کریں گے۔"

قیام امارت شرعیہ علامہ ندویؒ کی نظر میں

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ (متوفی ربیع الاول ۱۳۷۳ھ۔ نومبر ۱۹۵۳ء) نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۱۳۴۵ھ میں بحیثیت صدر اپنے خطبۂ صدارت میں تحریر فرمایا ہے:۔

"مسلمانوں کی حقیقی، اصلی، جوہری، تنظیم وہی ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے قائم کی گئی تھی اور وہ یہ ہے کہ ہر ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی حکومت نہیں، اکثریت بھی نہیں، ایک

"امارت" یا "امامت" قائم کی جائے، خاص قواعدِ شرعی کے ساتھ انتخابِ امیر ہو، اس کے لیے ایک مجلس شوریٰ ہو، اور تمام افراد اس کے ہاتھ پر شرعی بیعت کریں۔ اور اس کے ہر شرعی حکم کو، ایک حکومت کے حکم کی طرح واجب العمل سمجھیں، جس کا مخالف مذہباً عاصی اور گنہ گار اور ملت کے رشتے سے کٹ جانے والا ہوگا"

(خطبۂ صدارت جمعیۃ علماء ہند، کلکتہ منعقدہ ۱۳۴۴ھ)

قیامِ امارت، محدثِ کشمیری رح کی نظر میں

فخر المحدثین حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس پشاور کی صدارت فرماتے ہوئے، اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:-

"مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ خود اپنے اتفاق یا کثرتِ رائے سے امیرِ شریعت منتخب کریں۔ ایسے ہی امراء صوبہ دار ہونے چاہئیں۔ اور پھر امراء کے اتفاقِ رائے سے تمام ہندوستان کے لیے ایک "امیرِ اعظم" ہوگا، اگرچہ حکومتِ برطانیہ کے قیام اور تسلط کی وجہ سے ان صوبہ دار امراء اور امیرِ اعظم کی کوئی حیثیت نہ ہوگی مگر مذہبی ضروریات ان کے فیصلوں اور ان کے احکام سے صحیح طور پر واقع اور نافذ ہو سکیں گے۔ اور مسلمانوں کا ایک بڑا مذہبی فرض (نصبِ امارت) ادا ہو جائے گا۔ اور ان کی تمام مصیبتوں کا حل نکل آئے گا، جس میں وہ آجکل مبتلا ہیں"۔

(خطبہ صدارت جمعیۃ علماء ہند، پشاور منعقدہ ۱۳۴۶ھ ص۵۵)

"امارتِ شرعیہ" جمعیۃ علماء کے مقاصد و دستور میں

نہ صرف یہ کہ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے "امارت" کی اہمیت کا باضابطہ اظہار ہوتا رہا ہے بلکہ "امارت شرعیہ" کا قیام "جمعیۃ علماء ہند" کے بنیادی اغراض و مقاصد میں شروع ہی سے شامل رہا ہے چنانچہ جمعیۃ علماء ہند کے اساسی اصول و آئین وضوابط (جو دہلی کے اجلاس منعقدہ ۷، ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء میں منظور ہو کر شائع ہوئے) میں دفعہ ۴ شق "د" کے تحت اغراض و مقاصد کے ذیل میں "شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے فصلِ خصومات کے لیے محکمۃ دار القضاء قائم کرنا" بھی داخل ہے۔ جو حقیقتاً شرعی امارت کے قیام کی طرف پہلا قدم تھا۔

پھر "جمعیۃ علماء ہند" کے دوسرے اجلاس (منعقدہ نومبر ۱۹۲۱ء بمقام لاہور، زیرِ صدارت مولانا ابوالکلام آزادؒ (متوفی فروری ۱۹۵۸ء) نے تجویز ۵ کے ذریعہ مسئلہ امارت کی اہمیت اور تنظیم مسلمین کی خاطر انتخاب امیر کی ضرورت کو تسلیم کیا، اور امیرِ شریعت کے اختیارات و فرائض کی تعیین کے لیے پندرہ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی۔ اور ایک دوسری تجویز کے ذریعہ یہ بھی طے کیا گیا کہ بدایوں میں منعقد ہونے والے اجلاس جمعیۃ علماء ہند میں امیرِ شریعت کے اختیارات و فرائض کا مسودہ پیش کیا جائے، اور امیر کا انتخاب عمل میں آجائے۔

اسی طرح جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس منعقدہ جنوری ۱۹۲۵ء ۱۳۴۳ھ بمقام

مراد آباد جو دستور العمل جمعیۃ علماء ہند کا منظور کیا گیا، اس میں بھی دفعہ ۳ شق "ز" کے تحت، شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے محاکم شرعیہ قائم کرنا اغراض و مقاصد کی فہرست میں داخل کیا گیا۔

"امارتِ شرعیہ" آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد

اس موقعہ پر ایک ضروری بات کا نوٹ ہو جانا مناسب ہے کہ مراد آباد کا اجلاس مفکرِ اسلام حضرت مولانا محمد سجادؒ کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں "امارتِ شرعیہ فی الہند" کے مسئلے پر مکمل بحث کی ہے اور بحث کے خاتمہ پر لکھا ہے:۔

"آخر میں اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اتنا عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو جس چیز کی آج ضرورت ہے اور حصولِ سوراج کے بعد بھی ضرورت ہوگی۔ یہی نظامِ اسلامی یعنی "امارتِ شرعیہ" ہوگی"۔

قیامِ امارت پر جمعیۃ علماء کی تفصیلی تجویز

جمعیۃ علماء ہند کا بارہواں اجلاس ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء جونپور میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (المتوفی جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۷ء) نے فرمائی اور آپ ہی کی صدارت میں "امارتِ شرعیہ" کے قیام، امیر الہند کے انتخاب اور بیت المال قائم کرنے سے متعلق حسبِ ذیل تفصیلی تجویز منظور ہوئی:۔

تجویز ۵ انتخاب امیر

"جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس ہندوستان

میں مسلمانوں کی مذہبی ترقی اور اقتصادی اصلاح اور ہر نوع کی فوز و فلاح کے لیئے ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اسلامی تعلیم کے ماتحت اپنا امیر منتخب کر کے اس کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کریں۔ یہ ایک اہم فریضہ ہے جس کی طرف جمعیۃ علماء ہند ۱۹۲۱ء سے مسلمانوں کو توجہ دلا رہی ہے، بہر حال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے۔ اور اس کے ایک مخصوص اجلاس منعقدہ بدایوں میں تشکیل امارت شرعیہ کا ایک ابتدائی خاکہ بھی مرتب کر کے شائع کیا گیا تھا۔ بہر حال مسلمانوں پر اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے۔ البتہ شرعی امیر کا انتخاب ایسے شرعی اصول پر ہو جو زیادہ سے زیادہ ارباب حل و عقد کے نزدیک مقبول و مسلّم ہو، امیر ایسا شخص ہو جو علوم دینیہ کا ماہر، قومی ضرورتوں سے واقف اور سیاستِ حاضرہ کا اچھا جاننے والا ہو۔ اس کے اعمال و اخلاق پسندیدہ اور قابلِ اعتماد ہوں۔ وہ مستعد اور جری ہو اور اس کی عملی زندگی ممتاز درجہ رکھتی ہو، جمعیۃ علماء ہند ضروری سمجھتی ہے کہ اول مسلمانوں کو اس فریضہ کی ضرورت اور اہمیت سے روشناس کرایا جائے، پھر مناسب وقت پر "انتخاب امیر" کے لیئے ایسی مخصوص موتمر طلب کی جائے جس میں زیادہ سے زیادہ ارباب حل و عقد کو دعوت دی گئی ہو۔ اور اس میں "امیر الہند" کا انتخاب کیا جائے اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کی جائے اور

اسی روز "بیت المال" قائم کیا جائے"

بہرحال جمعیۃ علماء ہند کے یومِ تاسیس ہی سے قیامِ امارتِ شرعیہ اور نصبِ امیر اس کے اغراض و مقاصد اور دستورِ اساسی میں داخل رہا ہے۔ اور جمعیۃ کے تمام اکابر نہ صرف اس کے حامی بلکہ اس کے داعی رہے ہیں اور انھوں نے قیامِ امارتِ شرعیہ اور نصبِ امیر کو نہ صرف ملّی بلکہ مذہبی حیثیت سے بھی ضروری سمجھا ہے۔

امارتِ شرعیہ کی تائید اکابرِ جمعیۃ کے دستخطوں سے

"تذکرہ جمعیۃ علمائے ہند" نامی رسالہ جو مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ (المتوفی ۱۹۵۲ء)، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجّاد صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ (المتوفی دسمبر ۱۹۵۹ء) نائب صدر جمعیۃ علماء ہند کے دستخطوں سے مولانا عبدالحلیم صدیقیؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند نے شائع کیا ہے۔ اس میں "امارتِ شرعیہ" کے متعلق تحریر ہے:

"اس موقعہ پر ہم اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں قیامِ امارت اور نظامِ شرعی کی ضرورت اور اہمیت اس وقت محسوس ہونے لگی تھی جبکہ اسلامی حکومت کا چراغ گُل ہو رہا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے وقت میں قیامِ امارت کے وجوب کا فتویٰ دیا تھا، چنانچہ اس فتوے پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا جبکہ حضرت سید احمد بریلویؒ کو امام اور امیر منتخب کیا گیا۔ پھر ۱۸۵۷ء میں حضرت حاجی امداد اللہؒ کو

امام و امیر منتخب کیا گیا۔ لیکن اس انقلاب عظیم کے بعد حالات ناساز گار ہو گئے۔ زبان و قلم پر جبروتی مہریں لگا دی گئیں، مگر ہمارے اکابر کے دل و دماغ اس تخیل سے کبھی غافل نہیں رہے اور مقصدِ عظیم کے مبادیات میں مشغول رہ کر اس وقت کا انتظار کرتے رہے، جبکہ حالات ساز گار ہوں، اور اسلامی نظام جماعتی، شرعی اصول و ضوابط سے قائم کرنا ممکن ہو جائے۔ اور اب جبکہ یہ حالت پیدا ہو چکی ہے تو ضرورت ہے کہ مرکزی نظام شرعی اور "قیامِ امارت فی الہند" کی تجویز شرعی کو عملی شکل دی جائے۔" (تذکرہ جمعیۃ علماء ہند ص۳۳ و ص۳۴)

مسئلہ امارت کی فکری بنیادیں

حضرت مفکر اسلام مولانا محمد سجادؒ جو اپنے علم و تدبر، بصیرت، زہد و عمل اور اخلاص و ایثار میں اپنے ہم عصروں کے اندر ممتاز تھے، کتاب و سنت کے گہرے مطالعہ کے بعد اور مسلمانوں کے عظیم الشان ماضی اور موجودہ سیاسی اور ملی انتشار کے پیش نظر یقین رکھتے تھے کہ مسلمانوں کے لیے انتشار سے بچنا اور کسی ایسے ملی نظام کو برپا کرنا جس کی بنیاد مذہب اور شریعت پر ہو۔ مسلمانوں کے مسئلہ کا واحد حل ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا[1] کا یہی مطالبہ ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد علیکم بالجماعۃ وایاکم والفرقۃ[2] سے مسلمانوں پر یہی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ انھیں ہر دور میں جماعت بنکر رہنا چاہئے

---

[1] القرآن پ۴ ع۲۔ [2] ترمذی باب الفتن۔

اور اسی لیئے سیدنا عمر بن الخطاب رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ لا[1] اسلام الا بجماعۃ ولا جماعۃ الا بامارۃ ولا امارۃ الا بطاعۃ کہ اسلام کا تصور جماعت کے بغیر ادھورا ہے، اور قیامِ امارت اور نصب امیر کے بغیر جماعت نہیں، اور قیامِ امارت اور نصب امیر کے مقاصد کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ مسلمان سمع وطاعت کا عہد کریں، اور اس پر قائم رہیں۔ اسی لیئے فقہاء کرام نے واضح طور پر بتلایا ہے کہ جس ملک میں اقتدارِ اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو، وہاں اپنے میں سے ایک امیر کا انتخاب کرنا مسلمانوں پر واجب ہے جو ان کے لیئے مختلف شرعی محکمے قائم کرے اور جس کے ذریعہ مسلمانوں کے معاملات اور مسائل اسلامی اصول کی روشنی میں طے ہو سکیں، اور انجام پا سکیں، اور یہی تشریحات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ (م ۱۳۰۴ھ) کے فتوی کی بنیاد ہیں۔

مولانا سجادؒ ایسی ہی شرعی زندگی بحال کرنے کے لیئے اس غلام ملک میں سب سے زیادہ بے چین تھے، یہی وجہ ہوئی کہ آپ نے سب سے پہلے ۱۹۱۷ء میں "انجمن علماء بہار" قائم کی۔ پھر ۱۹۲۱ء میں "امارتِ شرعیہ بہار واڑیسہ" قائم فرمائی۔

ملّت کا کام کرنے والے جانتے ہیں کہ کسی صوبہ میں علماء ومشائخ اور ارباب حل وعقد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، اور ان میں سے ایک فرد کے لیئے بیعت اطاعت لینا کس قدر سنگین کام ہے؟ لیکن مولانا سجادؒ کے فہم وتدبر، اخلاص و ایثار نے اس مشکل کو آسان کر کے چھوڑا۔

---

[1] جامع لابن عبدالبر۔

امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑلیسہ کا قیام

مولانا محمد سجادؒ نے طے فرمایا کہ جس طرح "انجمن علماء بہار" جمعیۃ علماء ہند کے قیام کا ذریعہ بنی ہے۔ اسی طرح بہار میں امارتِ شرعیہ قائم کر کے نمونہ پیش کر دیا جائے تاکہ مختلف صوبوں اور مرکز میں "امارت" کا قیام سہولت سے ہو سکے۔ آپ نے ۱۹۲۱ء میں "جمعیۃ علماء بہار" کی منتظمہ کا جلسہ پھلواری شریف میں طلب کیا، اور اس میں جو تجویزیں منظور ہوئیں، ان کا ماحصل[۱] یہ ہے کہ صوبائی جمعیۃ کا اجلاس عام امارت شرعیہ کے قیام پر غور وفکر کے لیئے دربھنگہ میں منعقد کیا جائے اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کو صدارت کی دعوت دی جائے ۲۳، ۲۴، ۲۵ شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۲، ۳، مئی ۱۹۲۱ء کو دربھنگہ میں جمعیۃ علماء صوبہ بہار کا اجلاس عام منعقد ہوا۔ مولانا آزادؒ علالت کے باعث تشریف نہ لا سکے، اور اجلاس کی صدارت حضرت مولانا شاہ محی الدین پھلواروی رحؒ (المتوفی ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۷ء) نے فرمائی، اور حسب ذیل تجویزیں متفقہ طور پر منظور ہوئیں:

"صوبہ بہار واڑلیسہ کے محکمۂ شرعیہ کے لیئے ایک عالم مقتدر شخص امیر منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تمام محاکمِ شرعیہ کی باگ ہو، اور اس کا ہر حکم مطابق شریعت ہر مسلمان کے لیئے واجب العمل ہو۔ نیز تمام علماء و مشائخ اس کے ہاتھ پر خدمت وحفاظت اسلام کے لیئے بیعت کریں، جو سمع وطاعت کی بیعت

---

[۱] تاریخ امارت ص۵۵۔

ہوگی، اور جو بیعت طریقت سے الگ ایک ضروری اور اہم
چیز ہے۔ یہ جمعیۃ متفقہ طور پر تجویز کرتی ہے کہ انتخاب امیر
محکمہ شرعیہ کے لئے ایک خاص اجلاس علماء بہار کا بمقام پٹنہ
وسط شوال میں منعقد کیا جائے"۔

(تاریخ امارت ص۵۸ و ص۵۹)

خصوصی اجلاس برائے انتخاب امیر

انتخاب امیر کے خصوصی اجلاس کے لئے مجلس استقبالیہ بنی۔ مولانا شاہ حبیب الحق صاحبؒ (مولود ۱۲۹۵ھ متوفی ۱۳۶۱ھ) سجادہ نشین خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ۔ صدر استقبالیہ منتخب ہوئے اور صدارت کے لئے مولانا ابوالکلام آزادؒ کا نام منظور کیا گیا۔ (تاریخ امارت ص۵۹)

مولانا سجّادؒ کا تاریخی خط

اس موقعہ پر حضرت مولانا سجادؒ نے ایک مفصل خط صوبہ کے تمام علماء و مشائخ اور ارباب بصیرت کو لکھا جس میں نفس مسئلہ امارت اور اس کی ضرورت پر بحث کی۔ اور اس سلسلے میں پیدا ہونے والے سوالات اور اوہام کا مدلل جواب دیا۔ اور مستقبل میں ان تمام راستوں کو بند کرنے کی کوشش کی جن سے شکوک و شبہات آسکتے تھے۔ یہ خط "تاریخ امارت" کے گیارہ صفحات پر (از ص۶۱ تا ص۷۱) پھیلا ہوا ہے۔ اور پڑھنے کے لائق ہے۔ یہاں ہم اس خط کے ضروری حصوں کا خلاصہ درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد سجادؒ نے سب سے پہلے "امارت" کی ضرورت اور اس کے وجوب پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"ہر ذی علم واقف ہے کہ جب کسی ملک پر غیر مسلموں کا استیلاً اور غلبہ ہو جائے تو وہاں کے مسلمانوں پر اپنی ملّی زندگی کی استواری کے لیے اور شرعی نظام کے قیام و بقاء کی خاطر "امیر شریعت" (امیر محکمہ شرعیہ) کا انتخاب واجب ہے۔ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے جب سے انگریزوں کو ہندوستان میں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہوا، مسلمانانِ ہند پر "نصب امیر" کا فریضہ عائد ہے لیکن غفلت باہمی اختلاف اور حالات کی نامساعدت کے باعث مسلمانوں نے اس فریضہ کو ادا نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے انفرادی زہد و تقویٰ کے باوجود ان کی ملّی زندگی غیر شرعی اور جاہلیت کی زندگی ہے جس سے نکلنا مسلمانانِ ہند کا پہلا فرض ہے۔ ہم نے اس پورے زمانہ میں صرف شخصی طور پر فرائض اور ارکانِ اسلامی کی ادا کاری کو شرعی تنظیم کے بغیر اپنے لیے باعثِ سعادت اور نجات سمجھ رکھا ہے۔ لیکن ایک مسلمان کی بہترین شخصی اور ذاتی زندگی، ملّی اجتماع اور شرعی تنظیم کے بغیر ایک طرح کی رہبانیت ہے، جو اسلام کی نہیں بلکہ جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے۔ یہ عذر کہ مسلمانوں میں باہمی فروعی اختلافات ہیں اور ہمارے پاس عمر بن الخطابؓ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ جیسے لوگ نہیں کہ ہم انھیں امیر کے لیے منتخب کر سکیں۔

حضرت مولانا رحؒ نے اپنے تفصیلی خط میں لکھا ہے کہ :۔

”فروعی اختلافات کا ذکر بے کار ہے۔ یہ ہر زمانہ میں رہا ہے لیکن اس کی وجہ سے کبھی بھی فرض ساقط نہیں ہوا اور پھر یہ تو اختیاری بات ہے۔ مسلمان اپنے فروعی اختلافات کو ختم کر دیں اور اہم فریضہ کو انجام دیں۔ اور یہ عذر کہ ہمارے پاس حضرت عمر فاروق رضؓ جیسے لوگ نہیں جنھیں امیر بنائیں، یہ بات بھی غیر معقول ہے۔ سلف میں اس کی نظیریں موجود ہیں کہ ”امامت عظمیٰ“ کی شرائط میں بھی حسبِ ضرورت تنزل اختیار کیا گیا ہے اور اگر اونچی شرائط اور بلند معیار کا امیر نہ مل سکے تو اس سے امامت اور اس کا وجوب ساقط نہ ہوگا۔ دراصل جو چیز ہمارے علماء اور مشائخ کو اس امر واجب کی طرف عملی اقدام کرنے سے روک گئی ہے وہ ایک غلط فہمی ہے کہ امیرِ شریعت کے اختیارات غیر محدود ہوں گے۔ اطاعت کی کوئی حد نہ ہوگی، اور امیر جس خیال اور مشرب کا ہوگا، اس کے مطابق احکام نافذ کرے گا لیکن یہ شبہات صحیح نہیں ہیں۔ اس لیے کہ :۔

(۱) امیر کے اختیارات محدود ہوں گے۔ وہ ایسے مسائل کو نافذ کرے گا جس سے بلا فرق و امتیاز پوری امتِ مسلمہ کی فلاح و بہبود متصور ہو۔

(۲) امیرِ شریعت کو ایسے فروعی، مختلف فیہ مسائل کے اجراء اور

تنقید سے کوئی تعلق نہ ہوگا جو اجتماعی زندگی کے لیئے ضروری نہیں ہیں، وہ مسائل مختلف فیہ میں بحث ومذاکرہ کو نہیں روکے گا لیکن جنگ وجدال اور شر وفساد کو روکنے اور دفع کرنے کے لیئے کوشاں رہے گا۔

(۳) امیر شریعت کا ہر عمل وخیال تمام فرقۂ اسلامیہ کے لیئے واجب الاتباع نہیں ہوگا۔ اگر کسی ذی علم کی تحقیق امیر شریعت کی تحقیق کے خلاف ہو اور اس بنا پر وہ مسئلہ خاص میں امیر کی اتباع نہ کرے تو کوئی حرج نہیں اور نہ اس بنیاد پر بیعتِ اتباع ختم ہوگی حضرت عمر بن الخطاب رضؓ امیر المومنین ہیں، اور بہت سے مسائل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ ان سے متفق نہیں۔ اسی طرح حضرت عثمان غنی رضؓ کے زمانہ میں بہت سے مسئلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کو ان سے اتفاق نہ تھا، لیکن ان فروعی اختلافات کے باوجود بیعت باقی رہی۔ اور آج تک کسی نے بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ پر نقضِ بیعت کا الزام نہیں لگایا۔ اس لیئے اس قسم کے شبہات کی حیثیت شیطان کے پیدا کیئے ہوئے وسوسے سے زیادہ نہیں ہے۔

ذہنوں میں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ جیسے امراء کی تلاش اور حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام مالکؒ جیسے ائمہ کی جستجو، کام نہ کرنے کا ایک

بہانہ تو بن سکتی ہے، لیکن وجوب کے ساقط ہونے کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ تو پھر آخر اس زمانہ کے امیر کے لیے کیا شرطیں ہونی چاہئیں؟ حضرت مولاناؒ نے اِس کا جواب دیا کہ چونکہ امارتِ شرعیہ کے کام شرعی اور سیاسی دونوں ہوں گے، اس لیے ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے میرے نزدیک جن شرائط کے ساتھ امیر کا انتخاب ہونا چاہیئے وہ حسبِ ذیل ہیں:۔

(۱) امیر شریعت عالم باعمل، صاحب فتویٰ اور علماء کے طبقہ میں اپنی علمی حیثیت سے ایک حد تک وقار رکھتا ہو۔ مشائخِ طریقت میں صاحبِ وجاہت ہو، اور صوبہ کے اندر اپنا ایک حلقہ رکھتا ہو، اور مسلمانوں کی ایک متعدد بہ جماعت اس سے متعلق ہو۔

(۲) صاحبِ بصیرت، حق گو، حق بیں اور بے باک ہو، کبھی مادی طاقت سے مرعوب نہ ہونے والا ہو۔

(۳) مسائلِ حاضرہ میں بھی ایک حد تک بصیرت کے ساتھ رائے دے سکتا ہو، اور حسنِ تدبیر کے ساتھ کام کر سکتا ہو، لاپروائی اور خودرائی کے مرض سے پاک ہو۔

حضرت مولاناؒ نے ان شرائط کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"میرے نزدیک اسی قدر شرائط موجودہ وقت میں بہت کافی ہیں۔"

اس وقت ایک سوال یہ بھی گردش کر رہا تھا کہ پہلے "امیر الہند" کا انتخاب

ہونا چاہیئے تھا، اس کے بعد مختلف صوبوں میں صوبائی امیر چنے جاتے۔ حضرت مولاناؒ نے اپنے خط میں اس کا بھی جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"مسلمانانِ ہند کی بدقسمتی کو کیا کیجیے کہ وہ ابھی اصل مرکز کے بنانے اور امیر الہند کے انتخاب کے لیئے تیار نہیں۔ لیکن اگر مسلمان اپنی غفلت کی بنیاد پر "امیر الہند" کا انتخاب نہ کرکے معصیت میں مبتلا رہے تو ہمارے لیئے گنہ پر قائم رہنا ضروری نہیں۔ اور پھر امیر و والی کے انتخاب کا حکم فقہاء نے صرف ملک ہی تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ یہ حکم مستقلاً ہر شہر اور بلدہ پر عائد ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح "انجمن علماء بہار" سرزمین ہند پر پہلی جمعیۃ تھی جو یہاں قائم کی گئی، لیکن اس کے بعد "مرکزی جمعیۃ علماء ہند" بھی قائم ہوئی، اور مختلف صوبوں میں "جمعیۃ علماء" قائم ہوتی گئیں۔ اسی طرح بہت ممکن ہے کہ صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کے قیام اور امیر کے انتخاب کے بعد دوسرے صوبوں میں بھی یہ کام چل پڑے، اور جس طرح جمعیۃ علماء بہار کے بعد جمعیۃ علماء ہند قائم ہوئی، اسی طرح امیر الہند بھی بعد میں منتخب ہو جائے۔"

اس خط سے علماء و مشائخ کے شبہات دور ہوئے، اور ان میں "امارتِ شرعیہ" کے قیام کی خاطر جوش اور حوصلہ پیدا ہوگیا۔

بہار کے دو اہم روحانی مراکز

اس وقت بہار میں دو خانقاہیں مرجع خواص و عوام تھیں، اور الحمدللہ کہ آج بھی ہیں۔ ایک خانقاہِ رحمانی مونگیر، جہاں

قطب عالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی ذاتِ گرامی آفتاب رشد وہدایت کی حیثیت رکھتی تھی۔ دوسری خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف جس میں زبدۃ السالکین حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب پھلوارویؒ بیعت وارشاد کے ذریعہ خدمتِ خلق میں مشغول تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے حضرت مولانا محمد سجادؒ کے خط کا گہرا اثر قبول کیا۔

حضرتِ مونگیریؒ کا جواب حضرت مولانا قدس سرہٗ نے خط کا جواب لکھوایا کہ:۔

"آپ کی حمیتِ اسلامی اور علو ہمتی اور دینی مستعدی سے نہایت مسرت ہوئی، آپ کی باتیں تو طبیعت کو ایسی بھائی ہیں کہ جس سے دل بے چین ہو گیا۔ مگر میری حالت نے ایسا مجبور کر رکھا ہے کہ اب میں کسی کام کا نہیں ہوں، جنون کی سی کیفیت ہے۔ اب بجز اس کے کہ قلب میں اس حالت کو دیکھ کر درد اور بیقراری ہو، اور کچھ نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔ آمین۔ انشاء اللہ جلسہ کے وقت اپنے نواسہ[1] کو بھیج دونگا"

(تاریخ امارت ص۷۳)

حضرت پھلوارویؒ کا جواب حضرت مولانا شاہ بدرالدینؒ نے تحریر فرمایا:۔

"محکمۂ شرعیہ کے امیر کے لئے میری رائے میں جو پانچ صفات ہونی بتائی گئی ہیں، بہت مناسب ہیں، اس صوبہ بہار میں ان صفات سے موصوف اس وقت جناب مولانا شاہ محمد علی صاحب

---

[1] حضرت مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ۔

رحمانی کے سوا دوسرے کو نہیں پاتا، اس لیئے میری رائے ہے کہ اس منصب پر وہی مقرر کیئے جائیں۔ اگر علالتِ مزاج کے عذر سے وہ تشریف نہ لائے ہوں تو ان کا موجود رہنا اس جلسہ میں ضروری نہیں، ان کے منتخب ہو جانے کے بعد کوئی ان کی نیابت کرے، اور حاضرین سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ان کی اطاعت کا اقرار لے لے، اور تہذیب و اخلاق کے متعلق ان کے نصائح کو بقدرِ وسعت مان لینے کا اقرار لے تو یہ کافی ہے۔ اور اگر علماء و مشائخ حاضرین مختلف کئی لوگوں کا نام لیں تو اختلاف کی حالت میں جس کو اکثر لوگ منتخب کریں، میں اکثر کی رائے قبول کروں گا۔" (تاریخ امارت ص۴۷)

ان دو مقدس بزرگوں کے علاوہ دوسرے سینکڑوں خطوط بھی تائید و حمایت میں موصول ہوئے جن سے حضرت مولانا محمد سجادؒ کی ہمت بندھی اور حوصلہ بڑھا

خصوصی اجلاس کا انعقاد انتخاب امیر کے لیئے خصوصی اجلاس ۱۸، ۱۹ر شوال ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۵، ۲۶ر جون ۱۹۲۱ء کو "پتھر کی مسجد" پٹنہ میں منعقد ہوا حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ مسندِ صدارت پر جلوہ افروز تھے، مولانا آزاد سبحانیؒ مولانا سبحان اللہ خاں صاحبؒ کے علاوہ سنو سے زیادہ صوبہ بہار کے علماء شریکِ اجلاس تھے، مجموعی طور پر شرکاء کی تعداد چار ہزار سے کم نہ تھی، صدر استقبالیہ کے خطبہ کے بعد مولانا آزادؒ نے اپنا خطبہ صدارت زبانی ارشاد فرمایا۔

مجلس انتخابِ امیر اور فیصلہ

عام اجلاس کی پہلی نشست دوپہر سے پہلے ختم ہو گئی، اور بعد نمازِ عصر علماء، ومشائخ اور ارباب حل وعقد کا خصوصی اجلاس ہوا۔ اس کی صدارت بھی حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ ہی نے کی، یہ مجلسِ شوریٰ نمازِ مغرب کے وقفہ کے ساتھ رات کے ۹ بجے تک ہوتی رہی، مجلس میں علماء کرام نے حقیقتِ امارت، اتباعِ سنت اور امارت سے متعلق دوسرے مسائل پر طویل بحثیں کیں مجلس میں ہر مسلک وخیال کے علماء شریک تھے، بحث وکلام کے بعد تمام لوگوں نے بالاتفاق حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب پھلواروی‌ؒ کو امیرِ شریعت اور حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کو نائب امیر شریعت منتخب کیا۔

پہلے امیر

امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ممتاز علماء میں سے تھے۔ ۲۷ رجمادی الاخریٰ ۱۲۶۸ھ کو پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل اپنے والدِ محترم حضرت مولانا شاہ شرف الدینؒ اور مولانا شاہ محمد علی حبیب نصرؒ کی خدمت میں کی، ۱۲۸۳ھ میں اپنے استاذ حضرت مولانا شاہ محمد علی حبیب نصر، زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ سے بیعت ہوئے۔ ۱۲۹۰ھ میں ان کے شیخ نے ان کو خلافت واجازت مرحمت فرمائی۔ سلسلہ چشتیہ صابریہ میں شیخِ حرم حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے اجازت حاصل ہوئی۔ ۱۹۱۵ء میں حکومتِ برطانیہ نے آپ کو "شمس العلماء" کا خطاب عطا کیا، ۱۹۱۹ء میں آپ نے یہ خطاب واپس فرمادیا۔ آپ کے علمی مضامین و مقالات کوئی بارہ سو صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں جن میں کچھ مطبوعہ ہیں، اور کچھ

قلمی، ۱۶ر صفر ۱۳۴۳ھ میں آپ نے پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔
(آثارات پھلواری شریف ص۶۵)

بیعت اطاعتِ امیر ۱۹ر شوال کی صبح کو اجلاس عام کی دوسری نشست ہوئی جس میں صدرِ اجلاس حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ نے مسئلہ امارت پر دو گھنٹہ مسلسل، مدلل اور اثرانگیز تقریر فرمائی۔ پھر مجلس شوریٰ کی کارروائی اجلاس عام میں پیش کی گئی اور "منتخب امیر شریعت" اور نائب امیر شریعت کی بیعت کی گئی۔

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے سچے خواب کی تعبیر سامنے آئی۔ اور ۱۸۵۷ء کے بعد غلام ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا مبارک دن تھا، جس میں مسلمانانِ بہار واڑیسہ نے شریعتِ اسلامیہ کے ایک بنیادی مسئلہ پر عمل کا اعلان کیا کہ جب کسی ملک پر غیر مسلموں کا استیلاء ہو جائے تو تم اپنے میں سے ایک فرد کو اپنا امیر تسلیم کرو، اور اس کی نگرانی میں شرعی زندگی گذارنے کی جد وجہد کرو، کہ یہی احکامِ شریعت کا تقاضہ ہے۔ اور اسی میں اسلامی حیاتِ اجتماعی کا راز پوشیدہ ہے۔

"امارتِ شرعیہ" کے باضابطہ قیام اور امیر شریعت کے انتخاب کے بعد مسلمانانِ بہار واڑیسہ میں اسلامی زندگی کی لہر دوڑ گئی جس نے ان کی ملی اور اجتماعی روح کو بیدار کر دیا۔ اور امیرِ شریعت کی نگرانی میں بیت المال، دارالقضاء، دارالافتاء، تحفظ مسلمین، تبلیغ اسلام اور دوسرے دینی شعبے اور محکمے باضابطہ وجود میں آگئے، اور کام کرنے لگے، اس موقعہ پر ہندوستان کے کونے کونے سے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کے پاس تائیدی تحریریں اور مبارکباد

کے خطوط پہونچے۔

حضرت مونگیریؒ کا ارشادِ گرامی

امیر شریعت اول کے انتخاب کے بعد قطب عالم حضرت مولانا سید محمد علیؒ نے بھی ایک خط لکھا جس سے دلوں کو تقویت ہوئی، اور دماغوں نے روشنی پائی، اور "امارتِ شرعیہ" کو غیر معمولی تقویت پہونچی، اور اس ارشادِ گرامی نے صوبہ بہار کے مسلمانوں کو غلط راہ پر لگنے سے بچالیا، اور انتخاب امیر کے بعد مخالفتوں کا جو فتنہ کھڑا ہوا تھا وہ بڑی حد تک ختم ہوگیا۔ حضرتؒ کے مکتوب کا ایک حصہ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

"امارتِ شرعیہ" کا خاص مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو شریعتِ اسلامیہ سے آگاہ کریں، اور اسلام کی عملی زندگی کی روح پھونکیں اس لیے میری دلی خواہش ہے کہ تمام مسلمان خصوصًا ہمارے متوسلین "امارتِ شرعیہ" کے مقاصد کی تکمیل میں مستعدی سے حصہ لیں، اور اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ اخیر میں یہ فقیر اپنے خاص محبین سے اتنا اور کہتا ہے کہ اس وقت جو "امیرِ شریعت" ہیں انھوں نے میرے ہی کہنے سے اس "امارت" کو قبول کیا ہے، اب میں تمام محبین سے باصرار و منّت کہتا ہوں کہ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کریں، بلکہ اسلام میں اتفاق کی بنیاد قائم کریں، تاکہ صوبہ بہار کا اتفاق تمام ہندوستان کے لیے نظیر ہوجائے۔ اور اس نازک وقت میں سب مل کر

پوری سعی اور توجہ کے ساتھ مخالفینِ اسلام آریہ وغیرہ جو اسلام کے مٹانے میں نہایت سرگرم ہیں، پوری مستعدی کے ساتھ، تحریری اور تقریری ہر ممکن صورت سے ان کا مقابلہ کریں۔"

(تاریخ امارت ص۶۷)

اہلِ علم اور علماء دین کا ایک بڑا طبقہ حضرت مونگیریؒ سے مانوس تھا ان کے اس "ارشاد" سے بہت زیادہ متأثر ہوا۔ اور عوام تو عوام، خواص او خاصکر علماء کا طبقہ "امارتِ شرعیہ" کی طرف متوجہ ہوگیا۔ دوسری طرف حضرت مولانا محمد سجادؒ نائب امیر شریعت نے "امارتِ شرعیہ" کے شعبہ جات کو منظم کیا، اس کے نقشے مرتب کیے، اور کام کی رفتار کو تیز سے تیز تر بنادیا۔

حضرت مونگیریؒ کے ارشادِ گرامی اور حضرت نائب امیرِ شریعت کے حسنِ تدبر کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امیر شریعت اول کے انتخاب کے بعد شبہات اور اشکالات کا جو ایک ہنگامہ کھڑا ہوا تھا، اور صوبہ کے اندر مخالفت کی جو ایک فضا بندھی تھی وہ ختم ہوگئی، اور "امارت شرعیہ" اسلامی اجتماعی نظام کا نمونہ بن کر سامنے آئی۔

امیرِ شریعت کا فرمان اور بیعتِ عامہ

ابتدائی امور سے فراغت کے بعد حضرت امیر شریعت اول نے وفود کی روانگی اور بیعتِ عامہ پر توجہ دی اور اس سلسلہ میں ایک فرمان جاری کیا جس کا ایک حصہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:۔

"تمام خاص و عام کو متنبہ ہونا چاہیئے کہ اس دورِ پرفتن

اور شورش کے زمانہ میں سب سے بڑی سعادت جو تم کو ملی ہے وہ یہی "قیام امارت شرعیہ" ہے۔ اگر تم نے اس کی قدر کی، اور اس کی منزلت کو پہچانا اور اپنے عہد و میثاق پر قائم رہے، تو پھر انشاء اللہ تمام مصائب خس و خاشاک کی طرح اڑ جائیں گے، صرف ایمان، خوفِ خدا اور حزم و احتیاط کے ساتھ استقلال کی ضرورت ہے۔ تمام مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس امارت کا مقصد کیا ہے؟ خدمت و حفاظتِ اسلام، بقائے عزت و ناموسِ دین، اجراء احکامِ شرعیہ، جو بجز اجتماعی قوت کے ممکن نہیں ہے، ان مقاصد و مصالح شرعیہ کو پیشِ نظر رکھ کر میں اسی نوع کے احکام جاری کروں گا جس سے حیاتِ اجتماعی کو تعلق ہو، اور وہ ایسے احکام ہوں گے، جو مسلمانوں کی کسی جماعت کے خلاف نہ ہوں

آج میں محسوس کرتا ہوں کہ میری ذمہ داریاں کس قدر بڑھ گئی ہیں ہمارا فرض ہوگا کہ کسی مسلمان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے۔ چونکہ یہ بیعت ہر شخص کے لیئے ضروری ہے، اس لیئے قریب کے لوگوں کو یہاں آکر بیعت کرلینی چاہیئے، اور دوسرے اضلاع کے لیئے میں اپنے نائب کو ایک وفد کے ساتھ بیعت لینے اور تشریح احکام کے لیئے عنقریب بھیجوں گا۔"

محمد بدرالدین ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ

چنانچہ قرب وجوار کے لوگ دفتر "امارتِ شرعیہ" آکر بیعت کرتے رہے، اور باہر کے لیے وفود روانہ کیے گئے۔ ہر وفد میں حضرت مولانا محمد سجادؒ نائب امیرِ شریعت ساتھ رہتے، یہ وفد جلسہ کرتا، اور اس میں "امارتِ شرعیہ" کی دینی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی جاتی، اور سمع وطاعت کی بیعت لی جاتی، عقائدِ فاسدہ اور مراسمِ قبیحہ کی اصلاح پر زور دیا جاتا، باہمی جھگڑے کے تصفیہ پر زور دیا جاتا، اور دین کی دوسری ضروری باتیں بتائی جاتی تھیں۔

امارتِ شرعیہ کے مقاصد

ہر تحریک دعوت کا ابتدائی دور شکوک وشبہات، بدگمانی اور غلط فہمی کا دور ہوا کرتا ہے۔ "امارتِ شرعیہ" کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی۔ اس لیے ضرورت پڑی کہ "امارت" کے اکابر اپنے بیانات اور تحریروں کے ذریعہ "امارت شرعیہ" کے اغراض ومقاصد اور اس کی پوزیشن کو واضح کریں، اور ان بدگمانیوں کو دُور فرمائیں جو اصحابِ علم میں کہیں کہیں پیدا ہو رہی تھیں حضرت مولانا شاہ بدرالدینؒ نے اس سلسلہ میں اپنے خطوط کے ذریعہ بعض اہلِ علم اور مسلم سربراہوں کو مسئلہ امارت پر علمی حیثیت سے مطمئن فرمایا۔

امارت منہاج نبوت پر شرعی تنظیم کا نام ہے

حضرت مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلیؒ نے جو اپنے وقت کے مشہور عالم دین اور مسلم رہنما تھے۔ "مسئلہ امارت" پر کچھ اشکال لکھ کر بھیجا۔ اس کے جواب میں حضرت امیرِ شریعت اول نے تحریر فرمایا:۔

"غرض اس نظامِ جدید سے یہ ہے کہ اس نظام کو شرعی صورت و ہیئت کے ماتحت قائم کرکے مسلمانوں کو ایک مرکزِ اسلامی پر لایا جائے اور امیرِ شریعت، امورِ سیاسی، مذہبی دونوں کی نگرانی حتی الوسع کرے، اور فتنہ وفساد، شقاق و نفاق کو روکتے ہوئے، اصلاح دین کو پھیلانے کی جتنی صورتیں ممکن ہوں، ان کو انجام دے اور اصل مقصد جو اس وقت تمام مسلمانانِ ہند بلکہ کل مسلمانانِ عالم کے پیشِ نظر ہیں اس کی طرف نہایت قوت وسطوت کے ساتھ اجتماعی قدم اُٹھایا جائے۔ بیعتِ اطاعت کے بعد یہی کام پیشِ نظر ہے کہ نظامِ شرعی "منہاجِ نبوت" کے ماتحت برپا کیا جائے اور شرعی زندگی حاصل کی جائے۔"

امارتِ شرعیہ کوئی وقتی مسئلہ نہیں ہے

"امارتِ شرعیہ" کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نائب امیرِ شریعت نے اپنے ایک بیان میں صراحت کی:-

"آئینِ اسلام کی رو سے یہ ظاہر ہے کہ امارتِ شرعیہ کا وجود نہ کوئی محض سیاسی چیز ہے نہ وقتی مسئلہ ہے بلکہ یہ خالص مذہبی اصول اور شرعی حکم کے ماتحت مسلمانوں کی حیات وزندگی کے لیے لازمی چیز ہے۔ اور تمام اہلِ علم اور اکثر اربابِ حل وعقد نے مناسب غور وخوض کے بعد اس چیز کی بنیاد ڈالی

اور ہندوستان کے ہر صوبہ کے لیئے بہترین نمونہ پیش کیا۔"

"امارت" امّت کی شیرازہ بندی ہے حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا۔

"امامت کیا ہے؟ کسی ایک لائق شخص کی سرداری میں افرادِ امت کی ایسی شیرازہ بندی، کہ ان پر جماعت کا اطلاق ہو سکے احکامِ شرعی کا نفاذ اور اجراء بقدرِ امکان انتظام پا سکے، اور جمعہ و جماعت اور نکاح و طلاق اور میراث وغیرہ کے احکام کی تنفیذ ہو سکے، اور اس سے زیادہ قوت ہو تو استخلاف و تمکین فی الارض کا وہ فرض بھی ادا ہو سکے، جس کی بشارت قرآنِ پاک نے دی ہے۔" (ہندوستان اور مسئلہ امارت ص ۹)

اسلامی احکام کا اجراء اور اس کی تنفیذ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیرِ شریعت ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:-

"جس کا مقصد مسلمانوں کی صحیح مذہبی تنظیم اور ان کی اسلامی زندگی کی استواری، اسلامی حقوق اور مفاد کی نگہداشت، اسلامی اصول و فروع اور اس کے احکام کو بروئے کار لانے اور بقدرِ وسعت اس کے اجراء اور تنفیذ کے مواقع پیدا کرنا تھا اور نکاح و طلاق، میراث و خلع کے احکام کی صحیح صورت میں اقامت تھا، اور حضرت مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں "اقامت جمعہ و اعیاد و انکاح من لا ولی من الصغار و حفظ مال غائب و ایتام، قسمت ترکات تنازع فیہ علی لسہام

کے فرائض کو انجام دینا تھا۔" (تاریخ امارت)

ان بیانات کو سامنے رکھ کر بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ "امارت شرعیہ" کے قیام کے مقاصد:-

(۱) کتاب وسنت اور تاریخ اسلامی سے ثابت شدہ اس مسئلہ پر عمل کہ جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ ہو وہاں مسلمان بطورِ خود اپنا امیر منتخب کرلیں، اور اس کی سرداری میں افرادِ امت کی ایسی شیرازہ بندی کی جائے کہ ان پر جماعت کا اطلاق ہوسکے۔

(۲) امیر کے تحت محاکمِ شرعیہ کا قیام جن کے ذریعہ مسلمانوں کی مذہبی تنظیم، ان کی اسلامی زندگی کی استواری، اسلامی حقوق اور مفاد کی نگہداشت اسلامی اصول وفروع اور اس کے احکام کو بروئے کار لانے اور بقدرِ وسعت اس کے اجراء وتنفیذ کے مواقع پیدا ہوں۔

(۳) مسلمانوں کے مذہبی، تعلیمی اور سیاسی امور کی دیکھ بھال۔

(۴) مسلمانوں میں دینی جذبہ اس طرح راسخ کرنا کہ وہ جہاں رہیں اس پر یقین کریں کہ پورے عالمِ انسانی کے لیئے خدا کا قانون اور اس کے رسولؐ کی لائی ہوئی شریعت ہی کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہے۔

(۵) نکاح، طلاق، میراث وخلع وغیرہ (پرسنل لاء) کے احکام کی صحیح صورت میں اقامت۔

(۶) اختلاف وافتراق اور شقاق ونفاق کو روکتے ہوئے، وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔

(۷) مسلمانوں کی دینی اصلاح وتربیت اور ان سے غیر اسلامی رسوم ورواج کو مٹانا اور ان میں اسلامی عادات وخصائل پیدا کرنا۔

اختلافی مسائل میں امارتِ شرعیہ کی پالیسی

یہ ایک حقیقت ہے کہ ساری مسلم دنیا میں اور اسی طرح صوبہ بہار واڑیسہ میں بھی مختلف مسلک ومشرب کے مسلمان آباد ہیں۔ اس لیۓ اختلافِ مسلک کے نام پر بھی فتنہ برپا کیا جاسکتا ہے۔ "امارتِ شرعیہ" کو بھی اس سے سابقہ پڑا، اور مستقبل میں بھی پڑسکتا ہے۔ حضرت مولانا محمد سجادؒ کی بصیرت نے اسے محسوس کیا، اور انھوں نے "امارت" کے ابتدائی دور میں ہی فتنہ کے اس دروازہ کو بند کرنے کا امکانی نظم فرمایا۔ اور اختلافِ مسلک کے سلسلہ میں پورے صوبہ کے بیالیس ممتاز علماء کے دستخطوں سے ایک تحریر مرتب کرائی جسے "امارتِ شرعیہ" کی پالیسی کا اعلان کہنا چاہیے۔ تفصیلات تو رسالہ "اختلافِ مسلک اور امارتِ شرعیہ" میں دیکھی جاسکتی ہیں، جس میں یہ تحریر شائع کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ نیچے لکھا جارہا ہے:-

"کچھ لوگ "امارتِ شرعیہ" کو وہابیت کی نشر واشاعت کا اور بعض حضرات بدعات کی ترویج کا ذریعہ سمجھتے ہیں، لیکن یہ دونوں باتیں قطعاً غلط ہیں۔ اور یہ غلطی امارتِ شرعیہ کے طریقہ کار سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ مختلف مسائل میں جن کی ضرورت اجتماعی زندگی اور اسلامی تمدن میں نہیں ہے، امیرِ شریعت بحیثیت امیر شریعت نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم جاری

نہیں فرمائیں گے۔ ان مختلف مسائل میں ہر مسلمان آزاد ہے اپنی تحقیق یا اپنے اساتذہ و شیوخ کی تحقیق کی بنا پر جس مسلک کو چاہے اختیار کرے، اس قسم کی آزادی جس طرح مامورین اور تمام مسلمانانِ بہار کے لیے ہے، اسی طرح خود امیر شریعت اور کارکنانِ امارت کیلئے بھی ہے۔ اس قسم کے مختلف فیہ مسائل میں اگر اہلِ علم تحریراً یا تقریراً بحث و مذاکرہ کریں جس سے باہمی ناخوشگواری کا خوف نہ ہو تو وہ آزاد ہیں لیکن اگر بحث و مذاکرہ سے انتشار اور فتنہ کا اندیشہ ہو، اور اس فتنہ سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی متاثر ہو سکتی ہو، تو اس صورت میں امیر شریعت فتنہ کے سدّباب اور انتشار کو دُور کرنے کی خاطر کوئی خاص حکم نافذ کر سکتے ہیں۔" (اختلافِ مسلک اور امارتِ شرعیہ)

آج تک امارتِ شرعیہ کا عمل ان ہی ہدایات پر ہے، اور الحمدللہ کہ کبھی اس طرح کا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا جس میں مسلک کا اختلاف بنیاد بنا ہو امارتِ شرعیہ کے ذمہ دار آج تک ان رہنما اصولوں پر قائم ہیں، چنانچہ موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی دامت فیوضہم نے اپنے انتخاب کے تیسرے دن دفتر امارت شرعیہ کا معائنہ فرمایا۔ اس وقت آپ کے سامنے "کتاب الاحکام" پیش کی گئی، آپ نے اور چیزوں کے ساتھ یہ بھی تحریر فرمایا کہ

"امارت شرعیہ ہر طبقہ اور ہر خیال کے مسلمانوں کا مشترک ادارہ ہے جس کا مقصد بنیادی عقیدہ کی وحدۃ پر مسلمانوں کی شرعی تنظیم

ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بلند ہو، مسلمانوں میں ممکن حد تک اسلامی احکام جاری ہوں، اور مسلمان اس ملک میں اسلامی زندگی گذار سکیں۔ ظاہر ہے یہ مقصدِ عظیم، تعصب، تنگ نظری، پارٹی بندی اور اپنے مسلک سے ہٹے ہوئے لوگوں پر طعن و تشنیع سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کارکنانِ امارت کا فرض ہے کہ وسعتِ نظر اور فراخ دلی سے کام لیں۔ پوری یکجہتی کے ساتھ مقصدِ عظیم پر نظر جمائے ہوئے، فروعی اور جزئی اختلافات سے دامن بچاتے ہوئے آگے بڑھیں۔ اور جب تک کسی مسلک و خیال سے کفر و اسلام کا اختلاف نہ ہو، رواداری ترک نہ کریں۔ ہر معاملہ میں اور بالخصوص تبلیغ و ہدایت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں زمانۂ رسالت ؐ اور عہدِ صحابہؓ کے اسوہ کو مشعلِ راہ بنائیں، اور ایسا طریقۂ کار اختیار کریں کہ مختلف مسلک اور خیال کے ادارے اور اشخاص مقصدِ عظیم کے لیے "امارتِ شرعیہ" کے گرد یہ حسنِ ظن رکھتے ہوئے جمع ہو سکیں کہ یہاں ان کی انفرادیت پر حملے نہ ہوں گے اور نہ ان کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا جائے گا، امارتِ شرعیہ کی ترقی اور استحکام میں، اس فکر اور طریقِ کار کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اس لیے امارت کے ہر کارکن پر اس کی پابندی لازم ہوگی"۔

(کتاب الفرامین امارتِ شرعیہ)۔

اسی وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر مسلمانوں کو جمع کرنا "امارت" کی وہ روح ہے جو اس کے تمام ہی کاموں میں اول یوم سے آج تک کار فرما ہے۔

حضرت امیر اولؒ کی وفات

سوا تین سال ہی "امارتِ شرعیہ" کے قیام کو گذرے تھے کہ امیر شریعت حضرت شاہ بدرالدینؒ نے سفرِ آخرت فرمایا، آپ کے دورِ امارت میں مفکر اسلام حضرت مولانا محمد سجادؒ کی دوربینی اور مسلسل جدوجہد سے امارت شرعیہ کا نظام پورے صوبہ میں پھیل گیا، اور امارت کے تمام اہم شعبہ جات اور شرعی محکمے قائم ہوکر اپنے فرائض حضرت امیر شریعت کی نگرانی میں انجام دینے لگے۔ امیر شریعت اولؒ اپنے دورِ امامت میں امارت شرعیہ کے کاموں کی طرف پوری طرح متوجہ رہے، اور علمی اور فکری حیثیت سے بھی امارت کی دعوت کو مستحکم بنانے میں نمایاں حصہ لیا، آپ "خانقاہِ مجیبیہ" کے سجادہ نشین اور ہزاروں اشخاص کے مرشد بھی تھے، آپ نے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے بھی مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں امارت شرعیہ کا نظام پھیلایا اور اسے استحکام بخشا۔ امارت کے ساتھ آپ کے قلبی تعلق کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت امیر شریعت اولؒ نے اپنے مرض الموت میں جو آخری تحریر لکھوائی وہ بھی امارت ہی سے متعلق ہے۔ یہ تحریر مولانا شاہ قمرالدین صاحب (امیر شریعت ثالثؒ) کے قلم سے رسالہ "معارف" کے حاشیہ پر لکھی ہوئی موجود ہے:-

"شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم لوگوں کو جو صورتِ تنظیم تعلیم فرمائی ہے۔ اس سے بہتر کوئی دوسری صورت نہیں

ہو سکتی، وہ یہ ہے کہ ہر موقعِ انتظام میں زمامِ نظم کسی ایک شخص کے اختیار میں دے دیا جائے۔ اور سب لوگ اس کی اطاعت کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔

اِذا خرج ثلثۃ فی سفرٍ فلیؤمروا واحدھم

یعنی تین شخص بھی جب سفر میں نکلیں تو چاہیئے کہ وہ لوگ ایک شخص کو امیر بنالیں" (تاریخِ امارت ص۹۲ و ص۹۳)

امیرِ شریعت اولؒ کے وصال کے بعد ہی حضرت مولانا محمد سجادؒ نائب امیرِ شریعت نے بروقت ایک بیان دیا کہ حضرت امیرِ شریعت اولؒ کا وصال بڑا صبر آزما حادثہ ہے، لیکن مسلمانوں کو مطمئن رہنا چاہیئے کہ جن مقاصد کے پیشِ نظر امارتِ شرعیہ قائم ہوئی ہے برابر قائم رہے گی۔ اس کے قیام و بقا کی طرف سے تشویش کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ امیر شریعت کے جدید انتخاب کے لیئے تاریخ معین ہوگی اور آزادانہ انتخاب عمل میں آئے گا (تاریخ امارت ص۹۱)

امیرِ شریعت ثانی کے انتخاب کی کارروائی

مذکورہ بالا بیان میں حضرت مولانا سجادؒ نے یہ بھی صراحت فرمادی تھی کہ ۱۹ر صفر ۱۳۴۳ھ کو جمعیۃ علماء بہار کے ارکانِ منتظمہ امارت شرعیہ کے ارکانِ شوریٰ اور صوبہ کے دیگر معزز علماء کو طلب کیا گیا ہے، تاکہ سب کے مشورہ سے انتخابِ امیر کی تاریخ مقرر کی جائے۔ اور اس بیان میں حضرت مولاناؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا:۔

"اکثر علماءِ کرام اور اربابِ حل و عقد موجود ہوتے تو یقیناً تدفین سے پہلے حسبِ سنّت صدیقیؓ و دیگر خلفاء ایسا ہی کیا جاتا مگر

عدم موجودگی کے باعث مجبوری ہوئی۔" (تاریخ امارت ص ۹۳)

تاریخ مقررہ پر جمعیۃ علماء بہار کی مجلس منتظمہ، مجلس شوریٰ امارت شرعیہ اور دوسرے ارباب حل وعقد کا مشترکہ جلسہ ہوا جس میں سب سے پہلے حضرت امیر شریعت اوّل کی وفات پر دلی رنج وغم کا اظہار کیا گیا اور دعائے ترقی مدارج کی گئی۔ اور پھر یہ طے کیا گیا کہ ۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو پھلواری شریف ہی میں انتخاب امیر کے لیے جلسۂ عام منعقد کیا جائے۔ اور جلسہ کی صدارت کے لیے قطب عالم حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کو منتخب کیا گیا مولانا شاہ محمد قمرالدین صاحبؒ (حضرت امیر شریعت اولؒ کے منجھلے صاجزادے جو بعد میں امیر شریعت ثالث منتخب ہوئے) کی صدارت میں مجلس استقبالیہ بنی اور کام شروع ہوا۔ (تاریخ امارت ص ۹۳ و ص ۹۴ و ص ۹۵)۔

اجلاس عام برائے انتخاب امیرِ شریعت ثانی

۸، ۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو یہ انتخابی جلسہ منعقد ہوا، حضرت مولانا مونگیریؒ قدس سرہٗ اپنی علالت کے باعث تشریف نہ لا سکے، آپ کے صاجزادے حضرت مولانا سید شاہ لطف اللہ صاحبؒ نے جلسہ کی صدارت فرمائی اور حضرت قطب عالم مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کا تحریری خطبہ پڑھ کر سنایا۔ امارتِ شرعیہ کی شرعی ضرورت واہمیت امیر شریعت کے حقوق وفرائض اور اس سلسلے کے مختلف گوشوں پر کتاب وسنت اور فقہ سے جیسا قیمتی مواد اس خطبہ میں ملتا ہے کہیں دیکھنے میں نہیں آتا۔ یہ خطبہ صدارت آج بھی علماء اور ارباب حل وعقد کے لیے ایک علمی اور دینی دستاویز کی حیثیت رکھتا

ہے اور آج بھی خطبہ کی مطبوعہ کاپیاں "دارالاشاعت، امارت شرعیہ" پھلواری شریف ضلع پٹنہ سے مل سکتی ہیں۔ اس کا موقعہ نہیں کہ بڑی تقطیع کے چوبیس صفحات پر پھیلا ہوا خطبۂ صدارت یا اس کا خلاصہ نقل کیا جاسکے، لیکن کم سے کم اس کی فہرست اور عنوانات آپ بھی دیکھ لیں، جس سے آپ کو خطبہ کی افادیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

تمہید، فرائض علماء، اجتماع و ائتلاف، مسئلہ امارت، مآخذ مسئلہ امارت فقہاء کرامؒ کی پانچ تشریحات، فتویٰ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ، فتویٰ مولانا یوسف بن قادر احمد مع تصدیق مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ قیامِ امارت کی ضرورت، منصب امیر اور اس کے فرائض، قوم کے فرائض، امیر کی طاقت، قیام امارت سے وجودِ جماعت اور امتِ مسلمہ کے لیے طریقۂ نجات، آخری عہد میں امارتِ شرعیہ کی نظیر[1]۔

اجلاسِ عام میں خطبۂ استقبالیہ اور خطبۂ صدارت کے بعد ڈیڑھ سو علماء و مشائخ اور اعیانِ ملت کے نام پیش کیے گئے، کہ یہ حضرات غور و فکر کے بعد امیر شریعت کا انتخاب کریں گے۔ اور پھر اس کا اعلان جلسۂ عام میں کیا جائے گا۔ اس انتخابی جلسہ میں صوبہ سے باہر کے جو علماء کرام کسی مجبوری کے باعث تشریف نہ لا سکے، انھوں نے خطوط اور تار کے ذریعہ جلسہ کے مقاصد سے اتفاق ظاہر کیا، اور جلسہ کی کامیابی کے لیے دعاء فرمائی، اس قسم کے خطوط و تار جلسۂ عام میں پڑھ کر سنائے گئے، جن حضرات نے اس

---

[1] خطبۂ صدارت اجلاس پنجم جمعیۃ علماء بہار، مطبوعہ آزاد پریس سبزی باغ پٹنہ۔

قسم کے خطوط لکھے یا تار دیئے، ان میں سے قابلِ ذکر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رح مہتمم دارالعلوم دیو بند۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند تھے[1]۔

صبح کے اجلاس عام میں جو شوریٰ ایک سو پچاس ارباب حل وعقد پر مشتمل بنی تھی۔ اس کا خصوصی اجلاس تین بجے دن کو "خانقاہ مجیبیہ" میں ہوا بحث وتمحیص کے بعد متفقہ طور پر حضرت مولانا شاہ محی الدین صاحب رح (حضرت امیر شریعت اول کے بڑے صاحبزادے) امیر شریعت ثانی منتخب ہوئے!۔

دوسرے دن دوپہر کو اندرونِ "خانقاہ مجیبیہ" اجلاس عام منعقد ہوا حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے حضرت مولانا شاہ محی الدین صاحب رح کے انتخاب کا اعلان کیا، پھر حضرت مولانا رح نے بیعت کے معنیٰ اور طریق بیعت بیان کر کے فرمایا کہ:۔

"اب آپ تمام حضرات بھی امیر شریعت کی اطاعت فی المعروف کی بیعت کریں"۔

چنانچہ تمام حضرات نے اطاعت فی المعروف کی بیعت کی، اجلاس عام میں تقریباً چار ہزار اشخاص شریک تھے، اس کے بعد منتخب امیر شریعت نے مناسب حال تقریر فرمائی اور کہا:۔

"اگر آپ حضرات سمع وطاعت سے میری مدد کریں گے تو

---

[1] تاریخ امارت ص۹۶ و ص۹۷۔

آپ یقین کیجئے کہ آپ کے لیۓ دین و دنیا دونوں کی بھلائی ہوگی۔ میری تمام خدمات کا مدار آپ کی سمع وطاعت پر ہے پس میرا جو حکم قرآن وحدیث خدا اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق آپ تک پہونچے، آپ کو اس پر عمل کرنا چاہیئے"

(تاریخ امارت ص۱۰۰)

اجلاس عام کے دوسرے روز حضرت مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ علمأ ہند، اور مولانا عبدالحلیم صدیقی نائب ناظم جمعیۃ علماء ہند بھی تشریف لے آئے، اور مسئلہ امارت اور اس کی ضرورت واہمیت پر دونوں حضرات نے نہایت مؤثر اور پُرجوش تقریر فرمائی، اور اہل بہار کو "امارتِ شرعیہ" کے قیام پر اور امیر شریعت ثانی کے انتخاب پر مبارکباد دی، اور اجلاس عام ناظم جمعیۃ علماء ہند کی دعاء پر ختم ہوا۔

امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ محی الدین صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ ۲ر ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت شاہ بدرالدین علیہ الرحمۃ سے حاصل کی، سندِ فراغ مولانا عبدالرحمٰن صاحب ناصری گنج رح سے حاصل کی، ۱۳۱۱ھ میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔ بیعت اپنے والد محترم سے کی، اور ۱۳۲۵ھ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے عرصہ تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہا، اپنے والدؒ کے بعد "خانقاہِ مجیبیہ" کے صاحب سجادہ قرار پائے، اور ۹ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ کو بالاتفاق امیر شریعت بہار واڑیسہ منتخب ہوئے، اور ۲۹ جمادی الاول ۱۳۶۶ھ کو

وفات پائی۔

حضرت امیرِ شریعت ثانیؒ ملک کے ممتاز عالمِ دین تھے، صوبہ اور ملک میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے۔ امیرِ شریعت ہونے کے بعد تمام مسلمانوں کے شرعی سردار اور مطاع بھی قرار پائے۔ آپ کے دور میں امارتِ شرعیہ بہار و اڑلیہ کے شعبہ جات نے بڑی اہم خدمات انجام دیں، یہ دور سیاسی اعتبار سے بڑا انقلاب آفریں تھا، آپ کے عہدِ امارت کی مدت کافی طویل رہی یعنی ۲۳ سال ۲ ماہ ۲۰ دن، اس عرصہ میں ملک کے اندر جس قدر تحریکیں اٹھیں، اور صوبہ میں جتنے دینی، اصلاحی اور معاشرتی کام انجام پائے "امارتِ شرعیہ" کے رکن اور بہی خواہ سب میں پیش پیش رہے، وہ سب امیرِ شریعت ثانیؒ کی خدمات میں شمار ہونگی۔

اسی زمانہ میں ہندوستان کی حیثیت ابھر کر انگریزوں کے سامنے آئی، اور جدوجہد آزادی نے انگریزوں کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان کے معاملات اور انتظام میں ہندوستانی نمائندوں کو شریک کریں، اور ان کی رائے کا وزن تسلیم کیا جائے۔ حضرت مولانا شاہ محی الدینؒ کے دورِ امارت کے دو عنوانات بڑے اہم ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ ہی کے عہد میں "امارتِ شرعیہ" نے پارلیمانی انتخاب میں حصہ لیا، اور دوسرے یہ کہ امارت کے موسس اور داعی حضرت مولانا محمد سجادؒ نے سفر آخرت فرمایا۔

امارتِ شرعیہ اور پارلیمنٹری سیاست

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ملک میں انتخابات ہونے جا رہے تھے، مسلمان "امارتِ شرعیہ" کی

رائے معلوم کرنے کے لیئے بے چین تھے "امارتِ شرعیہ" کے لیئے یہ مسئلہ اہم تھا کہ وہ اس سلسلہ میں کیا طرزِ عمل اختیار کرے؟ غور وفکر کے بعد امارت شرعیہ کی مجلسِ شوریٰ نے حسبِ ذیل تجویز منظور کی :۔

"امارتِ شرعیہ، اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ اگر صوبہ بہار واڑیسہ میں کوئی مجلس اس اصول کے ماتحت قائم ہوئی۔ اور اس کے دستورِ اساسی و قواعد امارتِ شرعیہ کے لیئے قابل اعتماد ہوئے، اور اس نے خصوصیت کے ساتھ اپنے دستورِ اساسی میں اس امر کو داخل کیا کہ۔ مجلس تمام ایسے امور میں جن کا مسلمانوں کے مذہب سے تعلق ہو ان کے مذہبی معاملات میں اس کا اثر پڑتا ہو، امارت شرعیہ کی ہدایت ورہنمائی کی پابند ہوگی، تو امارت شرعیہ کی پوری ہمدردی وتائید اس مجلس کے ساتھ ہوگی۔ لیکن اگر بدقسمتی سے اس نازک دور میں بھی مسلمانوں کی کوئی مجلس (پارٹی) اس قسم کی قائم نہ ہوئی، یا اس کے دستور وقواعد پر امارت شرعیہ کو اعتماد نہ ہوا تو امارت شرعیہ ان ہی مقاصد واغراض کے ماتحت اپنے صوبہ کے مسلم امیدواروں کے لیئے ایک عہد نامہ مرتب کر کے شائع کردیگی تاکہ جو امیدوار اس پر دستخط کر کے "امارتِ شرعیہ" کے دفتر میں بھیجیں ان پر غور کر کے "امارت شرعیہ" کی مختصر مجلس (سب کمیٹی) جن امیدواروں کے انتخاب کو ترجیح دے گی امارتِ

شرعیہ کی پوری ہمدردی اور تائید اس کے ساتھ ہوگی"۔

(حیاتِ سجاد ص ۱۴۱)

امارت بورڈ کی تشکیل اس تجویز کی روشنی میں امارت بورڈ کی تشکیل ہوئی، اور امارت شرعیہ نے بالواسطہ انتخاب میں حصہ لیا، یہ جداگانہ انتخاب کا دور تھا اس لیے مسلم جماعتوں کو صرف مسلمان رائے دہندگان ہی کے پاس جانا تھا بہار میں تین جماعتیں سامنے آئیں (۱) مسلم احرار پارٹی، (۲) مسلم یونائیٹڈ پارٹی، (۳) مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی۔

پہلی جماعت کے سربراہ جناب شفیع داؤدی صاحب اور دوسری کے مسٹر عبدالعزیز بیرسٹر وزیر حکومت بہار تھے، یہ دونوں جماعتیں مجلس شوریٰ امارتِ شرعیہ کی مذکورہ بالا تجویز سے متفق نہ ہوسکیں۔ مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے اپنی جماعتی حیثیت سے "امارت شرعیہ" کی شرطوں کو منظور کیا، اس لیے امارت شرعیہ نے اس کی بھرپور تائید کی۔ دراصل جب "احرار" اور یونائیٹڈ پارٹی نے مفاہمت سے انکار کر دیا تو مولانا سجاد ہی نے "مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی" قائم کی، اور وہی اس کے روحِ رواں تھے۔ اس کے علاوہ کانگریس کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے والے وہ مسلم امیدوار جنھوں نے "امارت شرعیہ" کے عہدنامہ پر دستخط نہیں کیے، ان کے مقابلہ میں پارٹی کا امیدوار کھڑا کیا گیا، اور ان حلقہ ہائے انتخاب میں "امارتِ شرعیہ" نے کھل کر کانگریس کی مخالفت کی۔

انڈیپنڈنٹ پارٹی کی وزارت الیکشن کا نتیجہ جب سامنے آیا تو معلوم ہوا

کہ بہار اسمبلی میں سب سے بڑی پارٹی کانگریس کی ہے، اور مسلمانوں کی حد تک سب سے بڑی پارٹی "انڈیپنڈنٹ پارٹی" ہے۔ اور بہار اسمبلی میں کانگریس کے بعد دوسری پارٹی بھی یہی ہے۔ کانگریس نے وزارت بنانے سے انکار کر دیا تو قاعدہ میں گورنر نے "مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی" کو وزارت سازی کی دعوت دی۔ اگرچہ کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند کے ذمہ دار وزارت سازی کے سخت مخالف تھے، لیکن حضرت مولانا سجادؒ کی رائے ہوئی کہ وزارت بنائی جائے اگرچہ اس کی مدت مختصر ہی ہوگی اور پھر جلد ہی کانگریس وزارت بنالے گی، مگر اس تھوڑے عرصہ میں بھی کچھ کام کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ مسٹر محمد یونس بیرسٹر (متوفی سنہ ۱۹۵۲ء) کی قیادت میں مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی نے وزارت بنائی، اور نواب عبدالوہاب خاں (المتوفی فروری سنہ ۱۹۴۷ء) اور کمار صاحب اس وزارت میں شریک ہوئے۔

ایک اہم سوال اس موقعہ پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا سجادؒ نے کانگریس اور جمعیۃ علماء کے اپنے پرانے احباب کی رائے بھی نہیں مانی اور ان کی مخالفت کے باوجود وزارت بنائی، ایسا کیوں؟

تو اصل واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ جنگِ آزادی کے عظیم رہنما تھے، جمعیۃ علماء کے ناظمِ اعلیٰ اور انگریزوں سے جنگ کے زمانہ میں جمعیۃ علماء کے ڈکٹیٹر بھی رہ چکے تھے، لیکن وہ کانگریس کے عمل اور اربابِ کانگریس کے رویہ سے مطمئن نہیں تھے۔ وہ کانگریس والوں کو بتلانا چاہتے تھے کہ اگر تم مسلم مفاد کی نگرانی نہیں کر سکتے اور اگر تم ہندوستان کے مسائل کا فیصلہ اور اپنی پالیسی ہم سے بے نیاز

ہو کر بنا سکتے ہو، اور بناتے ہو تو ایسا وقت بھی آسکتا ہے کہ ہم تمہارے مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے کوئی فیصلہ کریں اور تم سے بے نیاز ہو کر کوئی پالیسی بنائیں۔

اس کے علاوہ مولانا رحؒ کو اس کا بھی یقین تھا کہ اس سہ ماہی وزارت کے ذریعہ وہ کچھ ایسا کام ضرور لے سکتے ہیں جسے کانگریس وزارت طویل المیعاد ہونے کے باوجود نہیں کر سکے گی۔

مولانا رحؒ کی یہ رائے تجربہ سے صحیح ثابت ہوئی، جب کانگریس کی وزارت بنی تو بارہا مولاناؒ سے اس کا ٹکراؤ ہوتا رہا۔ اور کانگریس نے اس وقت تک کوئی بات نہیں مانی جب تک کہ اندر اور باہر کا پورا دباؤ اس پر نہیں پڑا۔ اس وقت بہار اسمبلی میں مولانا سجادؒ اور امارتِ شرعیہ کی نمائندگی موجودہ امیرِ شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی کرتے تھے۔ اسمبلی کا ریکارڈ آج بھی محفوظ ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ کوئی ہفتہ ایسا نہیں کہ حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ کو اسمبلی میں کانگریس کی لائی ہوئی تجویزوں اور بلوں کی مخالفت میں نہ بولنا پڑتا ہو۔ اوقاف، زراعتی انکم ٹیکس، ڈاوری بل، ودیا مندر اسکیم، واردھا تعلیمی اسکیم۔ وغیرہ اس کی مشہور مثالیں ہیں۔

پارٹی وزارت کی خدمات

چنانچہ مولانا سجادؒ نے اس مختصر مدتی وزارت سے کچھ کام بھی لیا۔ قانونِ لگان کی دفعہ ۱۱۲ میں ترمیم اسی وزارت کا کارنامہ ہے۔ جس کے ذریعہ زمین پر کاشتکاروں کی ملکیت مضبوط ہوئی اور لگان اور مال گذاری کے سلسلے میں کسانوں کو کافی فائدہ پہونچا۔ صوبہ بہار کے سرکاری محکموں میں اُردو زبان کو اسی وزارت نے جاری کیا، جو ایک عرصہ

تک چلتی رہی۔

حضرت مولانا سجادؒ اسلام کے خلاف کوئی بات گوارہ نہیں کر سکتے تھے، اور آزادی یا سیاست کے نام پر مداہنت کو جائز نہیں رکھتے تھے، افراد یا حکومت کی طاقت کے آگے جھکنا ان کی فطرت کے خلاف تھا، مولاناؒ نے یہی مزاج امارت شرعیہ اور اس کے سارے کارکنوں میں پیدا کیا، جو آج بھی موجود ہے۔

مولانا سجادؒ اگرچہ یورپ کے جمہوری نظام کو گراں اور پُرپیچ بتلاتے تھے، اور مغربی حکومتوں کی تقلید میں پارلیمانی نظام کو زیادہ مفید نہیں تصور فرماتے تھے۔ لیکن مولانا رحؒ کی یہ بھی مضبوط رائے تھی کہ جن حالات میں ہم گھرے ہوئے ہیں، اور گھرتے جا رہے ہیں، ہمیں "مجلسِ قانون ساز" میں ایسے لوگوں کو ضرور بھیجنا چاہیے جو مسلم مفاد کی نگرانی کر سکیں، اور اسلام اور مسلمانوں کے مخالف آنے والی تجویزوں اور بلوں پر بے جھجک اور بے لاگ تبصرہ کر سکیں۔ مولانا رحؒ کا یہ بھی خیال تھا کہ "جمہوری اور پارلیمانی نظام" جس طرح آگے بڑھتا جائے گا مؤثر اور قانونی آواز مجالسِ قانون ساز ہی کی ہوگی، اور حکومت کی نگاہ میں اسی آواز کا وزن ہوگا۔ ان ہی مقاصد کو سامنے رکھ کر "امارتِ شرعیہ" پارلیمانی انتخاب میں سامنے آئی۔

پارلیمانی عہد نامہ امارت شرعیہ کے مرتب کیئے ہوئے پارلیمانی عہد نامہ سے بھی یہی باتیں معلوم ہوتی ہیں جس عہد نامہ پر اسمبلی اور کونسل کے امیدوار دستخط کیا کرتے تھے، اور دستخط کے بعد "امارتِ شرعیہ" اس کی تائید کے لیئے پابند تھی، اس کی کچھ دفعات یہاں ملاحظہ ہوں:۔

"میں اقرار واثق کرتا ہوں کہ:۔

(الف) تمام ان بلوں اور تجویزوں کی مخالفت کروں گا جس سے مسلمانوں کے مذہبی احکام و قوانین کی ترمیم و تنسیخ یا تغیر و تبدل یا غیر مشروع پابندی لازم آتی ہو۔ یا جس سے مذہبی احکام کی ادائیگی میں مشکلات پیدا ہوتی ہوں، اور اس قسم کی تمام تجویزوں کے متعلق "امارت شرعیہ صوبہ بہار واڑیسہ" اور جمعیۃ علماء دہلی کی رہنمائی کے مطابق عمل کروں گا۔ اور نیز یہ امر کہ مسودہ قانون مذہب کے مطابق ہے یا نہیں؟۔ امارت شرعیہ، اور جمعیۃ علماء ہند دہلی کے فیصلہ پر کاربند رہوں گا۔

(ب) اور میں ہر ایسے بل اور تجویز کی تائید کروں گا جو ہندوستان کی حیاتِ سیاسی اور اقتصادی آزادی کے لئے پیش کی جائے بشرطیکہ اس قسم کی تجویزیں کسی ایسے امر سے متعلق نہ ہوں، جس سے "ملتِ اسلامیہ" کے مفاد کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو۔

(ج) اور میں انتخاب میں ووٹ حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کروں گا جو شرعاً اور اخلاقاً درست نہ ہو"

(تاریخ امارت ص۲۰۱ و ص۲۰۲)

مولانا سجادؒ نظامِ اجتماعی کے داعی تھے۔ اور "امارتِ شرعیہ" اس کی ایک عملی شکل۔ وہ اس آزادی کو آزادی کہنے کے لئے تیار نہ تھے جس میں مسلمانوں کے نظامِ ملّی کا کوئی خاص مقام نہ ہو۔ وہ ملک کے تمام مسائل و معاملات میں مسلمانوں کو بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا مشورہ دیتے تھے، الیکشن میں بھی

حصہ لینے کے پُر زور حامی تھے، اور یہ اس لیئے کہ اسمبلی اور کاؤنسلوں میں ایسے لوگ جائیں جن کے دلوں میں اپنے ملک کی سچی محبت اور اپنی ملّت کے لیئے صحیح جذبہ موجود ہو، تاکہ مسلک بھی ترقی کر سکے، اور ملّت بھی اپنی خصوصیات کے ساتھ محفوظ رہے۔

مولانا رح فرماتے تھے کہ:۔

"ہر قوم یا جماعت کے لیئے سیاسی اور آئینی طاقت حاصل کرنا ضروری ہے۔ خصوصاً اس آئینی دَور میں تو اس کے بغیر کسی جماعت کا زندہ رہنا ہی مشکل ہے۔ اور سیاسی اور آئینی طاقت حاصل کرنے کا سب سے قوی ذریعہ انتخابات میں حصہ لے کر مجالسِ قانون ساز تک پہونچنا ہے۔ (محاسن سجاد صـ۱۶۴)

مولانا ہندو مسلم مشترکہ حکومت میں بھی کم از کم مسلمانوں کی حد تک اجتماعی نظام کے قیام اور اس کے تحفظ کی ضمانت کو ضروری سمجھتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے:۔

"ملکی آزادی کی جدوجہد میں ہمارا ایک مذہبی مقصد یہ بھی ہے کہ آزاد جمہوری حکومت میں مسلمانوں پر کم از کم اسلامی نظام حکومت کا وہ حصہ تو پوری طرح نافذ ہو سکے، جس کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہے۔ چنانچہ انتخابات میں حصہ لینے سے مولانا کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ رفتہ رفتہ آئینی طور پر مذکورہ مقاصد کی طرف قدم بڑھایا جائے۔" (محاسن سجاد صـ۱۶۴)

مسلمانوں کے مستقبل پر "امارتِ شرعیہ" کا اثر

مولانا سجادؒ جانتے تھے کہ انگریزوں کے بعد اس ملک میں مشترکہ حکومت بنے گی، اُس وقت بھی خود مسلمانوں پر ہی مذہب اور خصوصی قوانین کے تحفظ کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ لہٰذا آزادی سے پہلے "امارت شرعیہ" کا نظام ایسا منضبط اور اس قدر مکمل ہو جائے کہ ہندوستان کے دستورِ اساسی میں مسلمانوں کے حق کی حیثیت سے اس "شرعی نظام" کو تسلیم کرایا جا سکے، تاکہ آزاد ہندوستان میں مسلمان اسلامی زندگی گذار سکیں، حضرت مولانا احمد سعیدؒ نائب صدر جمعیۃ علماء ہند تحریر فرماتے ہیں :-

> "حضرت مولانا سجاد مرحوم کا خیال یہ تھا کہ جب تک ہندوستان کی جدوجہد کامیاب ہو، اور ہندوستان میں نیشنل گورنمنٹ قائم ہو، اس وقت تک مسلمانوں کا اندرونی نظام اور ان کی شرعی تنظیم مکمل ہو جائے، تاکہ نیشنل گورنمنٹ کے زمانہ میں مسلمانوں کی معاشرت، ان کا کلچر، ان کی تہذیب، ان کے اوقاف، ان کے نکاح وطلاق وغیرہ، ان کی زکوٰۃ، ان کا عُشر، یہ تمام باتیں ایک شرعی امور کے ماتحت ہوں، اور اس شرعی تنظیم کو آئندہ ہندوستان کے دستورِ اساسی میں مسلمانوں کے ایک حق کی حیثیت سے تسلیم کرالیا جائے، تاکہ مسلمانوں کے اندرونی اور اصلاحی معاملات حکومت کی مداخلت سے محفوظ ہو جائیں۔"
>
> (حیاتِ سجاد ص۱۰۵)

امارت کی حیثیت ان ہی وجوہ سے حضرت مولانا محمد سجادؒ مسلمانوں کے لیے "امارت شرعیہ" کی تنظیم کو سب سے زیادہ ضروری کام سمجھتے تھے، اور امیر کے بغیر ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے غیر شرعی زندگی تصوّر فرماتے تھے، حضرت مولانا احمد سعیدؒ ہی کا بیان ہے:۔

"وہ (مولانا محمد سجاد صاحبؒ) ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کو بغیر امیر کے غیر مشروع زندگی سمجھتے تھے۔ وہ اس غیر شرعی زندگی پر قرآن وحدیث سے استدلال کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے اسلام ایک تنظیمی مذہب ہے، اس مذہب کی روح ڈسپلن اور نظم چاہتی ہے۔ ہر ایک پیغمبر جو دُنیا میں آیا اس نے اپنی ابتدائی تقریر میں دو باتیں لازمی طور پر کہی ہیں:۔ فاتقوا اللّٰہ واطیعون۔ یعنی اللہ سے ڈرو اور میری طاعت کرو، اور یہی اطاعت وہ چیز ہے جس پر قوموں نے مخالفت کی ہے۔ لیکن پیغمبر اس حق سے دستبردار ہونے پر آمادہ نہیں ہوئے اور انھوں نے صاف کہدیا کہ خدائی مذہب کی یہ بنیادی چیز ہے۔ اس نظریہ کے پیشِ نظر انھوں نے "امارت شرعیہ" کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جس وقت تک کہ مسلمان سیاسی اقتدار کے مالک نہیں بنتے، اس وقت تک کے لیے اپنے مذہبی اور معاشرتی کاموں کے لیے اپنا ایک امیر منتخب کریں، اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری پر بیعت کریں، تاکہ غیر مسلم ملک میں

جس قدر ممکن ہو سکے، مسلمان اپنی زندگی کو شرعی بنا سکیں۔ وہ
اس مسئلہ پر فقہائے حنفیہ کی تصریحات بیان کرتے تھے۔ یہ
حقیقت ہے کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی خواہش
ایک شرعی خواہش تھی۔"

(حیاتِ سجاد ص۱۰۴ و ص۱۰۵)

نظارت امور شرعیہ امارت شرعیہ ہی کے استحکام و استواری کی خاطر مولانا نے مسودہ نظارت امور شرعیہ مرتب فرمایا تھا جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولاناؒ اسلام کے مکمل اجتماعی نظام کے قیام کی جدوجہد کو جہاں ضروری سمجھتے تھے وہاں دوسری طرف کم سے کم جو چیز مل سکتی ہو، اسے زیادہ سے زیادہ کی تمنا میں چھوڑنے کو بھی تیار نہ تھے۔ مسودہ مذکورہ مولاناؒ کے اس خط کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، جو مولاناؒ نے رائے کے لیے ذمہ داروں کے پاس بھیجا تھا۔

دفتر امارت شرعیہ، صوبہ بہار و اڑیسہ ۷۸۶
پھلواری شریف۔ پٹنہ۔ ۲۵ صفر ۵۷ھ

مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

منسلکہ خط مطبوعہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے۔ یہ خط مختلف صوبوں کے مسلمان وزراء کے نام بھیجنا چاہتا ہوں۔ اس مسودہ میں جس کمی بیشی کی ضرورت ہو کر کے بھیجدیں۔ تاکہ دوبارہ آپ کی رائے کی روشنی میں خط مرتب کر کے بھیجدوں۔ اس سلسلہ میں اور بھی مفید باتیں ذہن میں آئیں تو مطلع فرما کر مشکور فرمائیں

میری آنکھ کی روشنی میں مرض کی وجہ سے کمی آگئی ہے، اس وجہ سے ایک حد تک خود لکھنے پڑھنے سے مجبور ہوں۔

والسلام

(مولانا) ابوالمحاسن محمد سجّاد

(نائب امیر شریعت صوبہ بہار و اڑیسہ)۔

دفتر امارتِ شرعیہ صوبہ بہار و اڑیسہ

پھلواری شریف پٹنہ

مسودہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ایک ضروری امر کے لیئے یہ عریضہ بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس پر خاص توجہ فرمائیں گے۔

آپ کے علم میں ہے کہ ہندوستان میں علماء اور مسلمانوں کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ یہاں کے نظامِ حکومت میں مسلمانوں کی تعلیم، تربیت، معاشرت اور قوانین مذہبی کے تحفظ کے لیئے ایک مخصوص ادارہ قائم کیا جائے۔ لیکن ان بارسوخ حضرات کی وجہ سے جن کی نظر میں اس کی اہمیت نہ تھی، یہ مطالبہ وہ قوت حاصل نہ کرسکا جس کا یہ مستحق تھا۔ اور انگریزوں کی اس کھلی روش کے بعد جو انھوں نے سّو برس کے عرصہ میں ہندوستان سے اسلامی

تمدن کے مٹانے میں اختیار کی ہے۔ یہ توقع رکھنا کہ اس مطالبہ کو وہ آسانی سے قبول کرلیں گے، عبث تھا لیکن اس مقصد کے حصول کی کوشش حتیٰ الوسع ہم لوگوں نے جاری رکھی ہے۔

اب جبکہ موجودہ اصلاحات کے نفاذ نے ہندوستان میں ناقص لیکن قومی حکومت کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اور بعض امور اب ایک حد تک نمائندگانِ جمہور کے ہاتھ میں آگئے ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کی ایک راہ نکل آئی ہے۔

مسلمانوں کا کم از کم مطالبہ یہ تھا کہ ایک با اختیار حاکم، امورِ شرعیہ کی انجام دہی کے لیے مقرر کیا جائے جو قاضی کا تقرر کرے اور مسلمانوں کے تمام امور مذہبی (جن کا تعلق صرف مسلمانوں سے ہو) کا نگراں رہے۔ اور خصوصیت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کا محافظ ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے سب سے بہتر راہ تو یہ تھی کہ اعلان بنیادی حقوق .... (Fundamental Rights) کے سلسلہ میں ہندوستان کے نظامِ اساسی میں یہ چیزیں موجود ہوتیں۔ لیکن افسوس کہ یہ نہ ہوسکا۔

اب موجودہ حالات میں یہ مناسب ہے کہ نظامِ شرعی کا ایک ایسا خاکہ پیش کیا جائے جو موجودہ اصلاحات کے ذریعہ بآسانی چل سکے، اس سے اصلی مطالبہ تو پورا نہ ہوگا لیکن یہ

ہوگا کہ ایک ناقص نقش تیار ہو جائے گا۔ اور کسی حد تک مسلمانوں کی بعض شکایات و مشکلات کا کچھ ازالہ ہو جائے گا۔

نظارتِ شرعیہ کی اسکیم | اسکیم یہ ہے:۔

(۱) ہر حکومت میں "ناظر امورِ اسلامیہ" کا ایک عہدہ رکھا جائے (جو مختلف محکموں کے ڈائرکٹر کے مثل ایک عہدہ ہو، اور یہ عہدہ دار کسی مسلمان وزیر کے ماتحت ہو) اور اس کے متعلق حسبِ ذیل امور ہوں:۔

(ا) مسلم اوقاف

(ب) تقررِ قضاۃ، یا تفویضِ اختیاراتِ قاضی، یا جیوری کے تعین میں مشورہ دینا۔

(ج) ہندوستانی بین الاقوامی معاملات کے متعلق اسلامی بین الاقوامی اصول کے ماتحت حکومت کو مشورہ دینا، (اس کی رائے کا ان معاملات میں ایکسپرٹ (ماہر) کی رائے کی حیثیت سے لحاظ رکھا جائے)۔

(د) تعلیم کے ہر صیغہ اور درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم یا نگرانی (جیسی صورت حال اور ضرورت ہو) اس کے تحت ہو۔

(ہ) مسلمانوں کے "پرسنل لاز" کے متعلق قانون سازی کی نگرانی۔ اور اس کے متعلق اگر کوئی غلطی ہو رہی ہو یا کسی ذریعہ سے ہو گئی ہو، تو حکومت کو اصلاح کا مشورہ دینا۔

(۲) "ناظر امورِ اسلامیہ" کے ساتھ ایک مختصر مجلسِ مشورہ لائق مسلمانوں

کی ہو۔

(۳) تمام تقرریاں اور انتخاب مؤقت ہوں۔

(۴۔ الف) متذکرہ محکمہ کے ساتھ ساتھ حکومت ایک قانون "فسخ نکاح" طلاق و تفریق و خلع وغیرہ کے لیئے اسلامی اصول کے ماتحت پاس کرائے، جس سے وہ مشکلات دُور ہوجائیں جو موجودہ عہد میں شرعًا قاضی مجتہد کے فقدان سے لاحق ہیں اور ہوں گی۔

(ب) تقرر قاضی کے لیئے فی الحال یہ صورت اختیار کی جائے کہ مسلمان منصف اور جج کے تقرر کے معیار میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ فقہ اسلامی کی براہ راست معلومات ان کو ہوں، یا اقل درجہ اس خاص صنف میں ہندوستانی (اُردو) میں ضروری تالیفات مہیا کردی جائیں، (اور اس کا ڈیپارٹمنٹل امتحان بھی لے لیا جائے) اور تفویض اختیارات کے وقت ہائی کورٹ یا جوڈیشنل محکمہ جس کے بھی حدود ہوں۔ ان ہی حکام کو نکاح، طلاق اور تفریق وغیرہ کے مقدمات کی سماعت کے اختیارات دیئے جائیں۔

(ج) ان مقدمات کی سماعت کا ضابطہ اسلامی آدابِ قضا کے مطابق اُردو میں تیار کردیا جائے۔ اس طرح تقرر قضاۃ کا مسئلہ بغیر کسی مزید مالی بار کے کسی حد تک حل ہوجائے گا۔

"ناظر امور اسلامیہ" مسلم اوقاف کے ساتھ دوسرے امور حکومت انجام دے گا۔ تو کوئی مزید مالی بار بھی حکومت پر ایسا نہ پڑے گا جو غیر معمولی ہو۔

ایک اور ضروری امر مسلمانوں کی فوری توجہ کا محتاج ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تمام تر تہذیب و تمدن اور معاشرت کی بنا مذہب پر ہے۔ اب تک انگریزوں نے مسلمانوں کے تمدن کو مٹانے کے لیئے طرح طرح کے نظریئے پیدا کیئے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ "حکومت مذہبی تعلیم کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی"۔ اب جبکہ نئی اصلاحات نے صوبوں میں قومی حکومت کی ایک شکل پیدا کر دی ہے۔ یہ حکومتیں جیسی کچھ بھی ہوں، بہر حال قومی حکومت ہیں تو ان کو مسلمانوں کے اس جائز و واجبی مطالبہ سے کہ تعلیم کے ہر درجہ میں مذہبی تعلیم کا نظم کیا جائے، بے اعتنائی نہ برتنی چاہیئے۔ مسلمانوں کے لیئے یہ مسئلہ وقت کے تمام مسائل سے اہم ہے اس لیئے حکومت اور قوم کو اس طرف فوراً توجہ کرنی چاہیئے کیونکہ مسلمانوں کے ہر اجتماعی اور انفرادی اخلاق کی کمزوری کی بنا، ان کے مذہبی معلومات اور تربیت کی کمی ہی کی وجہ سے ہے۔ اور اس ایک اصلاح سے ان کی بہت سی کمزوریوں کی اصلاح بیک وقت ہو جائے گی، جو حکومت قوم اور ملک سب کے لیئے یکساں مفید ہو گی۔

(مولانا) ابوالمحاسن محمد سجاد (نائب
امیر شریعت بہار واڑیسہ)
پھلواری شریف پٹنہ

بہرحال اگر مولانا رح کی فکر اور امارتِ شرعیہ کے نظام کو مختلف صوبے قبول کرلیتے اور "امیر الہند" کا انتخاب ہوجاتا اور مسلمانوں کے اس اجتماعی نظام کو ہندوستان کے دستور اساسی میں منوالیا جاتا تو یقیناً آج کے حالات کچھ اور ہوتے، اور بار بار "پرسنل لا" میں ترمیم اور دین میں مداخلت کا سوال کھڑا نہ ہوتا۔

حضرت مولانا احمد سعید صاحب رح ناظم جمعیۃ علماء ہند نے تحریر فرمایا کہ

"اگر علماء میں مداہنت ومنافست نہ ہوتی۔ اور صوفیاً میں ارباباً من دون اللہ بننے کا شوق نہ ہوتا تو آج تمام ہندوستان ایک شرعی امیر کے تحت زندگی بسر کررہا ہوتا، اور اسلام کی حقیقی برکات سے متمتع ہوتا۔ اور ان کی روح حکومت کی غلامی سے آزاد ہوتی، اگرچہ جسم غلامی میں مقید ہوتا۔ (حیاتِ سجاد ص۱۰۷)

۱۳۵۹ھ کا اندوہناک حادثہ

۱۳۵۹ھ کا سب سے غم انگیز واقعہ مفکرِ اسلام، مجاہدِ جلیل مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رح کا حادثۂ ارتحال ہے۔

مولانا امارتِ شرعیہ کے محرک اور موسس تھے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی اس کام کے لیے وقف کردی تھی، اور بقول علامہ سید سلیمان ندوی رح:۔

"جن کا وجود سارے ملک کے لیے پیامِ رحمت تھا، وہی ایک چراغ تھا جس سے سارا گھر روشن تھا، وہ وطن کی جان اور ملت کی روح تھے جس نے اپنا سب کچھ لٹا کر ملک و قوم کو "وہ" دیا جو اس صدی میں کوئی اور دے نہ سکا۔"

نائب امیر شریعت ثانی۔ مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے مولانا سجادؒ کے متعلق یہ شعر لکھوا کر دفتر امارتِ شرعیہ میں آویزاں کروا دیا ہے۔ دفتر میں داخل ہونے والے پہلے اس شعر کو پڑھ لیتے ہیں۔ پھر کام شروع کرتے ہیں۔

پھونک کر اپنے آشیانے کو
بخش دی روشنی زمانے کو

حقیقتاً یہ شعر مولانا محمد سجادؒ کی زندگی کی صحیح تصویر کشی کرتا ہے۔ مولانا محمد سجادؒ "امارتِ شرعیہ" ہی کے کاموں سے ضلع چمپارن کا دورہ کر رہے تھے، واپسی میں طبیعت خراب ہوئی، علاج ہوا مگر معمولی!۔ بالآخر ۱۷ر شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۴۰ء یوم دوشنبہ پونے پانچ بجے شام کو روحِ پاک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس وقت آپ کی عمر انسٹھ سال ساڑھے آٹھ ماہ تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔!

دس بجے رات کے بعد جنازہ کی نماز ہوئی۔ اور ساڑھے دس بجے رات میں علم و عرفان، فکر و عمل اور جہاد و حمیتِ دینی کی یہ متاعِ گرانمایہ حسرت و یاس کے ساتھ پھلواری شریف ہی میں سپردِ خاک کر دی گئی۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ مولانا سجادؒ ۱۰ ؍شوال ۱۳۳۹ھ کو نائب امیر شریعت منتخب ہوئے اور ۱۷ ؍شوال ۱۳۵۹ھ کو آپ نے اس عالم سے کوچ فرمایا اس طرح پورے بیس سال آپ نے بحیثیت "نائب امیر شریعت" ملک و ملت اور دین و شریعت کی بے لوث خدمت انجام دی۔ (رحمۃ اللہ علیہ)

امارت کے لیئے صبر آزما وقت

یہ حادثہ پورے ملک کے لیئے اور بالخصوص جمعیۃ علماء ہند اور امارتِ شرعیہ کے لیئے بڑا صبر آزما تھا۔ اس لیئے اور بھی کہ یہ زمانہ جنگِ آزادی کے شباب کا تھا۔ ملک و ملّت کو مخلص دور اندیش، معاملہ فہم اور عملی شخصیت کی بڑی ضرورت تھی، مگر قدرت کے یہاں جو بات مقدر ہو چکی ہو، اسے کون روک سکتا ہے؟ آپ نے اپنی زندگی میں "امارت شرعیہ" کو ٹھوس بنیادوں پر کھڑا کر دیا۔ اور علماء و مشائخ کو اس کی آبیاری کے لیئے فراہم کر دیا تھا۔

حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین صاحبؒ پر آپ کی وفات سے بڑا بوجھ آپڑا۔ مگر امیر شریعت لائقِ داد و ستائش ہیں کہ آپ نے ساری ذمہ داری اس طرح سنبھال لی کہ "امارتِ شرعیہ" کو کوئی ٹھیس نہ پہونچی، اور آپ تقریباً چار برس تک مولانا کے جانشینی کے مسئلہ پر غور کرتے رہے، یہاں تک کہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ کو آپ نے حضرت مولانا سجادؒ کی جگہ پر ان ہی کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؒ کو نائب امیرِ شریعت نامزد فرمایا۔

حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؒ، حضرت مولانا سجادؒ کے مزاج

مزاج شناس، صحبت یافتہ اور تلمیذِ خاص تھے، قیام "امارتِ شرعیہ" ہی کے زمانہ سے مولانا رحؒ کے ساتھ رہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ علمی کاموں میں ہمیشہ مولانا رحؒ کا ہاتھ بٹاتے رہے، آپ نے "امارتِ شرعیہ" کے حلقے میں جو خلا پیدا ہوگیا تھا اُسے پُر کرنے کی پوری سعی کی۔

امیرِ شریعت ثانی رحؒ اور نائب امیر شریعت ثانیؒ کی قبروں کو خدا تعالیٰ نُور سے بھردے، کہ ان بزرگوں کی جدوجہد اور اخلاص و ایثار نے بڑا سہارا دیا، اور "امارتِ شرعیہ" کا نظام منتشر ہونے سے محفوظ رہا۔ اور اس کے محکمہ جات، اپنی خدمات میں مشغول رہے، مخلصین اور بہی خواہوں کا بھی پورا پورا تعاون حاصل رہا۔

امارت شرعیہ کے مختلف شعبہ جات پوری مستعدی سے اپنی اپنی خدمات میں منہمک رہے اور حالات کے پیشِ نظر ان کی سرگرمی تیز سے تیز تر ہوتی گئی، اور سابق نائب امیر شریعت حضرت مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اچانک وفات سے جو خدشہ پیدا ہوگیا تھا وہ دور ہوگیا۔

نائب امیر شریعت کی نامزدگی کے وقت فرمان | اسطرح یہ فرمان درست ثابت ہوا۔

"مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے ادارہ امارت شرعیہ میں نائب امیر شریعت کی جگہ خالی تھی۔ عملاً اگرچہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی ناظم امارت شرعیہ نیابت کے بعض امور کو انجام دیتے رہے تھے لیکن ضابطہ کے طور پر

وہ اس منصب کے لیۓ مامور نہیں کیۓ گۓ تھے۔

ان چار سال کے کام نہایت اطمینان بخش ہیں اس وقت بجز اس کے کہ مولانا مرحوم کی مجمع الکمالات ذات سے ادارہ امارتِ شرعیہ محروم ہے۔ اور جس کا بدل بظاہر ہندوستان میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بحمداللہ تعالیٰ ادارہ امارت شرعیہ اپنے ہر شعبہ میں بہتر حالت میں ہے۔ جو مولانا رحمانی کی اہلیت اور ان کی مخلصانہ کارگزاری کا عملی ثبوت ہے۔

ضرورت داعی تھی کہ اس منصب نیابت کا جلد ہی اعلان ہوتا مگر مشیتِ الٰہی کے ہاتھوں مختلف وجوہ کی بناء پر تعویق پر تعویق ہوتی رہی۔ آج ۸ ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ یوم جمعہ کو مولانا عبدالصمد رحمانی کا تقرر عہدۂ نیابت امارت پر کر دیا گیا۔ کل سنیچر کے دن سے کارہاۓ مفوضہ کی طرف متوجہ ہو کر عمل شروع کر دیں۔ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ و بارک فی امرہٖ"

محمد محی الدین پھلواری

۸ ربیع الثانی روز جمعہ ۱۳۶۶ھ

حضرت امیر شریعت ثانی کی رحلت

۱۹۴۶ء سے حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محی الدین صاحب کی صحت بھی گرنے لگی، اور گرتی ہی چلی گئی۔ بالآخر ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء

یوم شنبہ کو ۸ بجے صبح آپ نے سفر آخرت فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پورے ملک نے عموماً اور صوبہ بہار نے خصوصاً اس حادثہ کا بڑا اثر لیا اور حضرت امیر شریعت ثانی کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

آپ کے دورِ امارت کی مدت ۲۳ سال ۲ ماہ بیس دن رہی۔ امارت کا یہ دور تاریخی ہے، جو ہر طرح کے انقلاب اور مدوجزر سے گذرا ہے، اور کامیاب گذرا ہے۔

آپ کے دورِ امارت میں خدمات کی فہرست بڑی شاندار اور کافی طویل ہے جس کا معتد بہ حصہ اوپر گذر چکا ہے، اور جسے مؤرخ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

امیر ثالث کے انتخاب کا اعلان

فقیہہ امت، حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی علیہ الرحمۃ نے بحیثیت نائب امیر شریعت اخبارات کو اس غم انگیز حادثہ کی اطلاع دی، اور امیر شریعت ثالث کے انتخاب کا اطمینان دلایا، کہ جلد ہی یہہ کارروائی عمل میں آئے گی۔ امارت کا جو کام جس طرح جاری تھا، جاری رہے گا۔ تاریخ متعین کرنے کے لئے جمعیۃ علماء بہار کے ارکان منتظمہ امارت شرعیہ کے ارکان شوریٰ اور دیگر معزز علماء کو دعوت دی جائے گی، اور پھر انتخاب عمل میں آئے گا۔

چنانچہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو مجلسِ عاملہ جمعیۃ علماء بہار، مجلس شوریٰ امارت شرعیہ اور معزز علماء کا مشترکہ اجلاس پھلواری شریف میں جناب مولانا سید نور الحسن صاحب رح قاضی شریعت امارت شرعیہ کے مکان پر منعقد ہوا، اور بحث ومباحثہ کے بعد طے پایا کہ انتخاب امیر کے لیے ۱۳ و ۱۴ رجب ۱۳۶۶ھ مطابق ۴ و ۵ جون ۱۹۴۷ء بروز چہارشنبہ و پنجشنبہ کو ڈھاکہ ضلع چمپارن میں عام اجلاس

بلایا جائے اور اجلاس کی صدارت کے لئے حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح صدر جمعیۃ علماء ہند کا اسم گرامی منتخب ہوا[1]

انتخاب امیر کے اجلاس کی شرکت کے لئے جمعیۃ علماء صوبہ بہار کی مجلس منتظمہ کے ارکان (جن کی تعداد ۳۳ تھی) اور ان کے علاوہ علماء کرام، ارباب حل و عقد، مشاہیر و اکابر اور مشائخ کے نام تقریباً چھ سو دعوت نامے بھیجے گئے، اور مسلم جماعتوں، مثلاً مسلم لیگ، جمعیۃ المومنین وغیرہ کے صدر اور سکریٹری صاحبان کو بھی خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔ انتظامات مکمل ہو چکے تھے کہ حکومتِ بہار کی جانب سے ان تاریخوں میں پورے صوبہ کے اندر دفعہ ۱۴۴ نافذ کردی گئی، مجبوراً اجلاس کی تاریخیں ملتوی کرنی پڑیں۔ اور ۶، ۷، شعبان ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۶، ۲۷ جون ۱۹۴۷ء کی تاریخوں کا اجلاسِ عام کے لئے اعلان کیا گیا۔[2]

اس دوسری تاریخ میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رح صدر جمعیۃ علماء ہند کو اپنی تعلیمی مصروفیات کے باعث اجلاس میں شرکت سے معذوری ہوئی، اور حضرت مولانا علیہ الرحمۃ نے اپنی جگہ حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی سجادہ نشین خانقاہ رحمانی مونگیر کو اجلاس کا صدر مقرر فرمایا۔ لیکن اجلاس کے انعقاد سے پہلے موٹر کے ایک حادثہ میں حضرت مولانا رحمانی سخت مجروح ہو گئے، اس لئے شرکت سے معذور رہے، اور ان کے بجائے اجلاس کی صدارت حضرت مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیۃ علماء

---

[1] تاریخ امارت ص ۱۱۲ بحوالہ رجسٹر کارروائی جمعیۃ علماء صوبہ بہار۔

[2] تاریخ امارت ص ۱۱۶

دہلی نے فرمائی (تاریخ امارت ص۱۱۶ و ص۱۱۷)

مشہور و مقبول عالم ربانی حضرت مولانا ریاض احمد صاحبؒ نے بحیثیت صدر استقبالیہ خطبہ صدارت پڑھا، اور صدر اجلاس نے اپنا خطبہ زبانی دیا۔

امیر ثالث کا انتخاب مجلس منتظمہ جمعیۃ علماء بہار، مجلس شوریٰ امارت شرعیہ اور مدعوئین خصوصی کا مشترکہ آئینی اجلاس امیر کے انتخاب کے لئے منعقد ہوا امیر شریعت کے منصب کے لئے چار نام آئے۔

(۱) مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی

(۲) حضرت مولانا سید نور الحسن صاحب قاضی شریعت امارت شرعیہ

(۳) مولانا شاہ قمر الدین صاحب خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف۔

(۴) حضرت علامہ سید سلیمان صاحب ندوی۔

اور دو ناموں کا اس وقت کی مجلس کی طرف سے اضافہ ہوا۔ حضرت مولانا ریاض احمد صاحب چمپارن اور حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت[۱]

اس انتخابی جلسہ میں نو آدمیوں کی سب کمیٹی بنادی گئی کہ ان چھ ناموں میں سے کسی کا انتخاب کردے۔ اس کمیٹی نے حضرت مولانا شاہ قمر الدین صاحب خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا نام امیر شریعت کے منصب کے لئے منتخب کیا جسے سبھوں نے پسند کیا۔ اور اجلاس میں پیش کر کے تائید کرائی گئی اور سمع و طاعت کا اقرار لیا گیا۔[۲]

۱ے تاریخ امارت ص۲۳ و ص۲۴۔ ۲ے تاریخ امارت ص۱۲۶

عام اجلاس میں کم وبیش بیس پچیس ہزار مختلف مکتب فکر اور مختلف اضلاع کے مسلمان شریک تھے، دوسرے روز رات کے اجلاس میں منتخب امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ قمرالدین صاحب (امیر شریعت اول کے صاحبزادے اور امیر شریعت ثانی کے حقیقی چھوٹے بھائی) تشریف لے آئے اس لیئے اس وقت سے اجلاس کی صدارت آپ نے ہی فرمائی۔ (تاریخ امارت ص۱۲۷)

امیر شریعت ثالث کا دور

آپ کا دور امارت اس اعتبار سے بڑا اہم تھا کہ اسی سال اگست ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا۔ اور ہندوستان کو آزادی حاصل ہوئی، اور اس راستے سے مسلمانوں پر بڑی تباہی وبربادی آئی، نومبر ۱۹۴۶ء کے پہلے ہفتے میں بہار کے مختلف اضلاع میں مسلمانوں کے خلاف بڑا زبردست فساد ہوا جس سے ہزاروں ہزار مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، ضعیف، مہینوں کے بیمار اور دونوں آنکھوں سے معذور سبھی بلا امتیاز مارے گئے۔

امارت شرعیہ اس حادثہ سے بہت متاثر ہوئی۔ اس نے مختلف ذمہ داروں کے سامنے صورت حال رکھی۔ اور انسانیت کے نام پر توجہ کی اپیل کی۔ چنانچہ گاندھی جی، خان عبدالغفار خان اور دوسرے بیسیوں ذمہ دار حضرات بہار تشریف لائے۔ بہتوں نے متاثر مقامات کے دورے کیئے، بیانات دیئے اور یقیناً اس سے فضا میں اعتدال آیا۔ اور گاندھی جی نے پٹنہ میں پڑاؤ ہی ڈالدیا اور اس وقت تک نہیں ہٹے۔ جب تک کہ مظلومین کی امداد اور انھیں دوبارہ بسانے کا تشفی بخش انتظام نہیں کرلیا۔ آزادی کے بعد سے تو فسادات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہی شروع ہوگیا۔ ملک آزادی کی نعمت سے مالامال ضرور ہوا،

لیکن اس نام پر لاکھوں انسان تباہ وبرباد ہو گئے۔ آزادی کا جوش کہیئے، یا فرقہ واریت کا جنون، اس قدر بڑھ چکا تھا کہ خود ہندوؤں نے گاندھی جی کو گولی مار کر ہلاک کر دیا اور صرف اس جرم پر کہ وہ مظلوم مسلمانوں کی حمایت کیوں کرتے ہیں؟ اور مار کاٹ کرنے کو برا کیوں کہتے ہیں؟۔

بہر حال صوبہ بہار میں جہاں بھی فسادات ہوئے۔ ہر جگہ "امارتِ شرعیہ" ہی آگے آئی اور اپنی استطاعت بھر نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ بلا فرق وامتیاز انسانوں کی خدمت انجام دی۔

قاضی شریعت کا وصال امیر شریعت ثالث کے عہد کا اہم ترین حادثہ حضرت مولانا قاضی نور الحسن صاحب کا وصال ہے جو ۳ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ کو پیش آیا، آپ کے وصال نے امارتِ شرعیہ کو ایک جید عالمِ دین، صاحبِ تقویٰ وطہارت بزرگ اور معیاری دیانت وامانت رکھنے والے تجربہ کار قاضی سے محروم کر دیا۔

حضرت قاضی صاحبؒ پھلواری شریف میں پیدا ہوئے ۱۲۹۹ھ سن پیدائش ہے۔ پوری تعلیم پھلواری ہی میں حضرت مولانا عبد الوہاب صاحبؒ سے پائی اور سلسلہ منعمیہ کے مشہور بزرگ مولانا وحید الحق صاحبؒ سے سلسلۂ مذکورہ کی اجازت وخلافت حاصل کی، درسِ حدیث وتعلیم قرآن آپ کا محبوب مشغلہ تھا جو زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا، دار القضاء امارتِ شرعیہ پھلواری شریف کے قاضی سب سے پہلے آپ ہی مقرر ہوئے اور زندگی کے آخری لمحات تک آپ نے اپنی خداداد قابلیت، معاملہ فہمی اور بے لاگ اور صحیح فیصلوں سے دار القضاء

کا اعتماد قائم کیا مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی اپنے مقدمات فیصل کرانے لگے، اور صرف بہار و اڑیسہ ہی نہیں بلکہ صوبہ پنجاب سے بھی مقدمات آئے، حضرت قاضی صاحب ہی کے زمانہ میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ نے محکمۂ قضا کا معائنہ فرمانے کے بعد ۱۳۴۴ھ میں تحریر فرمایا تھا:۔

”قیام ولایت و امارت شرعیہ کا ایک نہایت اہم دینی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی بعض وہ شرعی ضرورتیں انجام پائیں جو حکومت غیر مسلمہ کی عدالتوں سے انجام نہیں پا سکتیں ان میں سے ایک اہم مسئلہ قیام ”محکمۂ قضا“ کا ہے۔ یہی ایک ایسا شعبہ ہے جس کی بابت لوگوں کو شکوک و شبہات تھے کہ حکومت غیر مسلمہ کی موجودگی میں چل نہیں سکتا، لیکن اب تجربہ کے بعد یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دین و مذہب سے بے رغبتی کے باوجود اگر لائق کارکن اس شعبہ کو میسر آجائیں تو نہایت کامیابی کے ساتھ یہ شعبہ کامیاب ہو سکتا ہے“

(تاریخ امارت ص۱۵۶ بحوالہ جریدہ امارت جلد ۵ ص۳۵)

آپ کے حادثۂ ارتحال نے ”امارتِ شرعیہ“ کو ایک بہت بڑے خیر خواہ اور ملت کی یاد دلانے والے قاضی شریعت سے محروم کر دیا۔

قاضی شریعت ثانی حضرت مولانا قاضی نور الحسن صاحبؒ کی علالت کے زمانہ میں قضا کے فرائض مولانا شاہ عون احمد صاحب (حضرت امیر شریعت اول کے پوتے، امیر شریعت ثالث کے بھتیجے) انجام دے رہے تھے، قاضی شریعت اول کے وصال کے بعد حضرت امیر شریعت ثالث نے ۵ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ

کو اپنے ایک فرمان کے ذریعہ باضابطہ مولانا شاہ عون احمد صاحب کو قاضیٔ شریعت مقرر فرمایا۔ اور آپ نے کئی سال تک قضا کی خدمت انجام دی۔

مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ نظام الدین صاحب مدظلہٗ سے حاصل کی۔ اور دار العلوم معینیہ اجمیر شریف میں تکمیل کی۔ آپ کو بیعت واجازت اپنے چچا حضرت امیر شریعت ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے۔

حضرت امیر شریعت ثالث کی وفات

بہر حال حضرت امیر شریعت ثالث کا دَور بڑا سنگین دَور تھا۔ آپ کے عہد میں بھی ہمت وجرأت سے امارت شرعیہ کے کارکنوں نے کام کیا، اگرچہ مولانا محمد سجادؒ کے وصال کے بعد امارت شرعیہ میں فکری اور عملی دونوں راستوں سے انحطاط آیا۔ لیکن امارت کے تمام شعبے کام کرتے رہے۔ الحاج منشی محمد شفیع صاحب نے دار القضا کو حضرت مولانا عثمان غنی صاحب نے شعبۂ افتاء کو حضرت قاضی سید احمد حسین صاحب ایم، پی نے دفتر نظامت کو زندہ رکھا۔

حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعتؒ کی دیکھ بھال بھی تریاق کا کام کرتی رہی۔ اور حضرت امیر شریعت ثالثؒ اپنے ضعف و مرض کے باوجود امارت کی طرف متوجہ رہے۔ لیکن کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ فرمانِ خداوندی ہے۔ حضرت امیر شریعت ثالث بیمار ہوئے، علاج کی طرف سے کوئی غفلت نہیں برتی گئی۔ مگر وقت پورا ہو چکا تھا۔ ۲۹ جمادی الاخریٰ یوم پنجشنبہ ۱۳۷۶ھ کو آپ نے اس دنیا سے کوچ فرمایا۔ رحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

امیرِ شریعت رابع کا انتخاب

امیرِ شریعت ثالث کی وفات کے بعد پھر انتخاب امیر کا مسئلہ سامنے آیا، اور حسبِ دستور نائب امیرِ شریعت حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رحؔ نے حسبِ ذیل اعلان جاری کیا

"اس وقت مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ عام مسلمانوں کو مطمئن رہنا چاہیئے کہ جن مقاصد کے لحاظ سے "امارت شرعیہ" قائم ہوئی ہے اس کی تکمیل کے لیئے انشاء اللہ "امارتِ شرعیہ" برابر قائم رہے گی۔ اس کے قیام وغیرہ کی حیثیت سے کوئی وجہ تشویش کی نہیں ہے۔ اس وقت ایک مسئلہ جدید انتخاب کا ہے اس کے لیئے ایک تاریخ معین ہوگی، اور جمعیۃ علماء بہار کے مشورہ سے اجلاسِ عام کا انعقاد کیا جائے گا جس میں شرعی اصول پر انتخاب عمل میں آئے گا۔ اس سے پہلے "امارت" کا کام جس طرح ہوتا تھا، بدستور جاری رہے گا اور جتنے عہدہ دار اور ارکان تھے، سب بدستور رہیں گے اور نائب نیابتاً تمام خدمات کو انجام دے گا۔ یہی مسئلہ شرعی ہے اور یہی اسلامی اصول ہے۔"

(کارروائی انتخاب امیر رابع ص۹)

مجلس عاملہ جمعیۃ علماء بہار، مجلس شوریٰ امارتِ شرعیہ اور دیگر کارکنان امارت کی مشترکہ مجلس حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب مفتی و ناظم امارت شرعیہ کی صدارت میں ۲۶ رجب ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۵۷ء کو

"خانقاہ رحمانی" مونگیر میں منعقد ہوئی اور انتخاب امیر کے اجلاس عام پر غور کیا گیا: "امارت شرعیہ" کی ضرورت کا تقاضہ تھا کہ جلد سے جلد یہ فریضہ انجام پائے لیکن صوبائی اسمبلی کے الیکشن کا زمانہ تھا، اور ایسے موقعہ پر اس قدر اہم دینی کانفرنس کا انتظام آسان نہ تھا۔

بالآخر مجلس شوریٰ امارت شرعیہ کے رکن حضرت مولانا محمد عثمان صاحب شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول ضلع دربھنگہ نے ہمت فرمائی، اور اجلاس کی دعوت دی۔

چنانچہ مذکورہ بالا مشترکہ مجلس نے حضرت مولانا ممدوح کی دعوت منظور کی۔ اور حضرت مولانا محمد عثمان غنی صاحب ناظم امارت شرعیہ کو مجاز بنایا کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند سے رابطہ قائم کر کے شعبان ۱۳۷۶ھ کے اخیر ہفتہ کی کسی تاریخ کا اجلاس کے لیے اعلان کر دیں اور اس خصوصی اجلاس کی صدارت کے لیے حضرت مولانا ریاض احمد صاحب کا اسم گرامی منظور کیا گیا۔

جناب مولانا محمد عثمان غنی صاحب مدظلہ نے ۲۱، ۲۲ شعبان ۱۳۷۶ھ کی تاریخوں کا اعلان "انتخاب امیر" کے لیے کر دیا۔ اور مجلس استقبالیہ اپنے کاموں میں مشغول ہو گئی۔ ذمہ داروں کی طرف سے جو پوسٹر اور اشتہارات شائع ہوئے اس کا مضمون یہ تھا:-

جمعیۃ علماء بہار کا عظیم الشان اجلاس ۲۱، ۲۲ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۴، ۲۵ مارچ ۱۹۵۷ء روز یکشنبہ دوشنبہ

سوپول ضلع دربھنگہ میں منعقد ہوگا جس میں ارکانِ جمعیۃ کے علاوہ مسلمانان بہار واڑیسہ سے اہل الرائے حضرات بھی مدعو کیے جائینگے اس عظیم الشان اجلاس میں "امیر شریعت بہار واڑیسہ" کا انتخاب آئینِ اسلامی کے مطابق عمل میں آئے گا۔ پھر مسلمانوں کے کھلے اجلاس میں انتخاب کا اعلان کیا جائے گا۔ اور مسئلہ امارت شرعیہ اور مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل پر اہم تقریریں ہوں گی"

دعوتی خطوط پوسٹر اور اشتہار کے ساتھ دعوتی خطوط بھی صدر جمعیۃ علماء بہار کی طرف سے صوبہ میں جمعیۃ کی منتظمہ کمیٹی کے ممبران کے سوا ہر ضلع اور قصبہ کے علماء و مشائخ، پروفیسر، وکلاء، اطباء، ڈاکٹروں، تاجروں، کاشتکاروں سابق و حال مسلم ممبرانِ اسمبلی و پارلیمنٹ، مدیران جرائد، امارت شرعیہ کے نقباء اور ارباب حل وعقد کو بھیجے گئے۔

ناموں کے انتخاب کے لیئے ایک بورڈ تھا جس میں نائب امیر شریعت، قاضیٔ شریعت، ناظم امارت شرعیہ اور بعض مخصوص ارکان جمعیۃ شامل تھے۔ ناموں کی فراہمی اور انتخاب میں مبلغین امارت شرعیہ سے مدد لی گئی۔ تاکہ کسی حلقہ میں کسی ذمہ دار کا نام چھوٹ نہ جائے۔

دعوتی خطوط کی مجموعی تعداد سات سو تھی۔ جو دفتر امارت شرعیہ سے روانہ ہوئے۔ ہندوستان کے ممتاز علماء کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی جن میں حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحبؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند، حضرت مولانا

فخر الحسن صاحب صدر المدرسین دار العلوم دیوبند قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ دار العلوم دیوبند کے دو مصری اساتذہ شیخ عبد المنعم النمر شیخ عبد العال العقبادی بھی اجلاس میں مدعو کیے گئے۔ اور ان دونوں حضرات نے شرکت بھی فرمائی یہ دونوں شیوخ جامعہ ازہر مصر کی طرف سے دار العلوم دیوبند میں ادب عربی کے درس کی خدمت پر مامور تھے۔

اجلاس انتخاب امیر ۲۴ر مارچ ۱۹۵۷ء کو ان سات سو مدعوئین، ارکان جمعیۃ علماء بہار، اور ارکانِ شوریٰ امارت شرعیہ کا اجتماع حضرت مولانا ریاض احمد صاحبؒ کی صدارت میں ہوا۔

سب سے پہلے نائب امیر شریعت حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی علیہ الرحمہ نے اجلاس کے انعقاد کی غرض اور اس کا مقصد بتلاتے ہوئے اعلان کیا کہ "آپ حضرات آزادی کے ساتھ امیر شریعت جیسے اہم منصب کے لیے ایسے بزرگوں کا نام پیش کریں جو اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی سنبھال سکیں"!۔

کارروائی انتخاب امیر حضرت نائب امیر شریعت کے اعلان پر چار نام پیش ہوئے:۔

(۱) حضرت مولانا شاہ امان اللہ صاحب سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

(۲) حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانی سجادہ نشین

---

۵ چوتھے امیر شریعت کے انتخاب کی مختصر کارروائی از ص ۱۳ تا ص ۱۶

خانقاہ رحمانی مونگیر۔
(۳) حضرت مولانا شاہ نظام الدین صاحب خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف
(۴) حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت۔
حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا نام واپس لے لیا۔ اور فرمایا کہ اسے خارج از بحث سمجھا جائے۔ پھر آپ نے اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یہ سب نام ایسے پیش کیے گئے ہیں، جن کا احترام صوبہ بہار میں ہر طبقہ کرتا ہے۔ اس لیے اس اجلاس میں ناموں کی وجہ ترجیح پر بحث نہ کی جائے۔ اور ایک سب کمیٹی بنادی جائے۔ جو اس مسئلہ پر بحث کرکے اور متفق ہو کر ایک نام آپ کے سامنے پیش کردے۔ کمیٹی کی طے کردہ رائے آپ کی رائے ہوگی۔ اور اس کا متفقہ طور پر تجویز کیا ہوا نام اس مشترکہ اجلاس کو منظور ہوگا۔ اس انتخابی سب کمیٹی کے لیے نو نام پیش کیے گئے۔ جسے اجلاس نے منظور کیا۔
اس تجویز پر پھر یہ مسئلہ کھڑا ہوا کہ مجلس میں منتخب ہونے والے امیر کے اوصاف بیان ہونے چاہئیں یا نہیں؟ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن نے جو ابتداء سے موجود تھے فرمایا:۔

"ان بزرگوں کے ناموں پر وجہ ترجیح کی حیثیت سے تو بحث نہ کی جائے۔ مگر محرک یا مؤید صاحب ایسا کرسکتے ہیں کہ اپنے پیش کردہ ناموں کے متعلق بغیر تقابل کے ان کے اوصاف حمیدہ اور اہمیت پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔"

(چوتھے امیر شریعت کے انتخاب کی مختصر کارروائی مطبوعہ)۔

سبھوں نے اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ مولانا مقبول احمد صاحب صدیقی اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب ہرسنگھ پوری نے اپنے اپنے پیش کردہ ناموں کے سلسلے میں وضاحت فرمائی کہ وہ کیوں اس منصب کے لائق ہیں۔ اور کس نقطۂ نگاہ سے ان کا انتخاب بہتر ہوگا؟۔

امیرِ شریعت رابع کا انتخاب

انتخابی کمیٹی کے نو ارکان جمع ہوئے، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور حضرت نائب امیرِ شریعتؒ بحیثیتِ شاہد انتخابی مجلس میں تشریف فرما رہے۔ چنانچہ اس انتخابی مجلس نے بحث و تمحیص کے بعد حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کا نام امیر شریعت بہار و اڑیسہ کے لئے منتخب کیا۔ پھر بعد مغرب حسبِ اعلان مجلسِ منتظمہ، مجلسِ شوریٰ اور مدعوئین خصوصی کا مشترکہ اجلاس دوبارہ منعقد ہوا۔ اور مولانا شاہ عون صاحب قاضی امارتِ شرعیہ نے انتخابی کمیٹی کی تجویز پڑھ کر سنائی کہ جناب حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ صوبہ بہار و اڑیسہ کے "امیر شریعت رابع" منتخب کیے گئے۔ مجلس نے اسے سن کر انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔ ضابطہ میں منظوری دی اور اس کے بعد منتخب امیر شریعت رابع کو مجلس میں تشریف آوری کی زحمت دی گئی اور ان کی خدمت میں تجویز اور اس کی منظوری کی باضابطہ اطلاع دی گئی۔ اور مبارک باد بھی!

حضرت امیر شریعت رابع نے اجلاس کو امارتِ شرعیہ کی مجلس شوریٰ کیلئے ارکان کے ناموں کو پیش کرنے کی اجازت دی۔ اٹھائیس نام پیش

کیئے گئے۔ حضرت امیر شریعت رابع نے حذف و اضافہ کے بعد مجلس شوریٰ کے لیئے بتیس۳۲ ناموں کا اعلان کیا۔ (چوتھے امیر شریعت کے انتخاب کی مختصر کارروائی مطبوعہ)

اجلاسِ عام میں اعلان

عشاء کے بعد کھلا عام اجلاس ہوا جس میں پچیس تیس ہزار کر زیادہ مسلمان شریک تھے۔ صوبائی جمعیۃ علماء کے ناظم مولانا مسعود الرحمٰن صاحب ایم، ایل، اے نے انتخابی اجلاس کی تجویز پڑھ کر سنائی اور اعلان کیا کہ انتخابی اجلاس نے حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ کو صوبہ بہار و اڑیسہ کا امیر شریعت منتخب کیا۔ مجمع نے دیر تک گرمجوشی سے نعرے لگائے اور اپنی بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ اور سمع و طاعت کا اقرار کیا۔

موجودہ امیر شریعت کے انتخاب پر اہلِ علم کی مسرت

امیر شریعت رابع مدظلہ کے انتخاب کی کارروائی جب ملک وملت اور عام علماء و مشائخ کے سامنے آئی تو سبھوں نے دلی مسرت کا اظہار کیا۔ اور مبارکبادی کے تار و خطوط روانہ کیئے۔ یہ تہنیت نامے صرف صوبہ بہار و اڑیسہ ہی سے موصول نہیں ہوئے بلکہ دوسرے صوبہ جات سے بھی علماء و مشائخ اور ہمدردانِ ملک وملت نے بھیجے۔ مبارکباد کے خطوط کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی کہ حضرت امیر شریعت رابع دامت برکاتہم کی طرف سے تہنیت ناموں کے جواب کے لیئے ایک خط چھپوا لیا گیا۔ اور جواب میں وہی بھیجا جاتا رہا۔

امیر شریعت رابع دفتر امارت شرعیہ میں

حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ ۲۷ مارچ ۱۹۵۷ء کو گیارہ ارکانِ شوریٰ کے ساتھ دفتر امارت شرعیہ پھلواری شریف تشریف لے گئے۔ پہونچتے ہی حضرت امیر شریعت اول، ثانی اور ثالث رحمہم اللہ کے مزارات پر حاضر ہوئے، اور ایصالِ ثواب کیا پھر زیب سجادہ خانقاہ مجیبیہ، حضرت مولانا شاہ امان اللہ صاحب مدظلہ سے ملنے تشریف لے گئے، صاحب سجادہ نے پر تپاک خیر مقدم کیا۔ اور حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ کی خدمت میں انتخاب پر ہدیۂ تبریک پیش کیا۔ اور اپنی مسرت کا اظہار فرمایا۔ رات کے کھانے پر سب حضرات کو مدعو کیا۔ اس کے بعد حضرت سجادہ نشین موصوف سے اجازت لے کر حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ گیارہ ارکان شوریٰ کے ساتھ "دفتر امارت شرعیہ" تشریف لائے۔

یہاں حضرت مولانا عثمان غنی صاحب مدظلہ مفتی امارت شرعیہ کی سربراہی میں جملہ کارکنان امارت شرعیہ نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نے دفتر کا اجمالی معائنہ فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے کتاب الاحکام پیش کی گئی اور حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ نے اپنا پہلا فرمان تحریر فرمایا۔ فرمان مطالعہ کے لائق ہے آپ بھی پڑھیں اور فائدہ اُٹھائیں!۔

حضرت امیر شریعت رابع کا پہلا فرمان

(۱) امارت شرعیہ ہر طبقہ اور خیال کے مسلمانوں کا مشترک ادارہ ہے، جس کا مقصد بنیادی عقیدہ کی وحدت پر مسلمانوں کی شرعی

تنظیم ہے، تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو، مسلمانوں میں ممکن حد تک اسلامی احکام جاری ہوں۔ اور مسلمان اس ملک میں اسلامی زندگی گذار سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصدِ عظیم تعصب، تنگ نظری، پارٹی بندی اور اپنے مسلک سے ہٹے ہوئے لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کارکنانِ امارت کا فرض ہے کہ وسعتِ نظر اور فراخدلی سے کام لیں۔ پوری یکجہتی کے ساتھ مقصدِ عظیم پر نظر جمائے ہوئے فروعی اور جزوی اختلافات سے دامن بچاتے ہوئے آگے بڑھیں اور جب تک کسی مسلک اور خیال سے کفر و اسلام کا اختلاف نہ ہو، رواداری ترک نہ کریں۔ ہر معاملہ میں بالخصوص تبلیغ و ہدایت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں زمانہ رسالت ؐ اور عہدِ صحابہ رض کے اُسوہ کو مشعلِ راہ بنائیں۔ اور ایسا طریقِ کار اختیار کریں کہ مختلف مسلک اور خیال کے افراد و اشخاص اس مقصدِ عظیم کے لیے امارت شرعیہ کے گرد یہ حُسنِ ظن رکھتے ہوئے جمع ہو سکیں کہ یہاں ان کی انفرادیت پر حملے نہ ہوں گے اور ان کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھا نہ جائے گا۔

امارتِ شرعیہ کی ترقی اور استحکام میں اس فکر اور طریقِ کار کو بنیادی مقام حاصل ہے۔ اس لیے امارت کے ہر کارکن پر اس کی پابندی لازم ہو گی۔

(۲) محکمۂ قضا جو امارت کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ اس کے نظام کو پورے صوبے میں پھیلانا بہت ضروری ہے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو فائدہ پہونچ سکے، اور مقدمات کے فیصلے جلد سے جلد ہو سکیں۔ اور انھیں اسلامی زندگی گذارنے میں سہولت ہو اس کے لئے ضرورت ہے کہ:-

(الف) جن اضلاع یا کمشنری میں ممکن ہو، قاضی مقرر کئے جائیں اور اس حلقہ کے مقدمات وہیں دائر ہو کر فیصلہ پائیں۔

(ب) مقرر کئے جانے والے قاضیوں کی تربیت کا نظم مرکزی دارالقضا پھلواری شریف میں کیا جائے۔ کہ وہ مقدمات کی سماعت اور فیصلے کے طریقوں کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

(ج) قاضیوں کی سہولت کے لئے اُردو زبان میں ایک رسالہ مرتب کیا جائے جس میں فقہ کی معتبر کتابوں کو سامنے رکھ کر قاضیوں کے اختیارات، فرائض، مقدمات میں شہادت کے شرعی اصول اور ضابطے، فسخِ نکاح اور خلع کے وجوہ اور طریقے اور اُن سے متعلق مسائل درج کئے جائیں اور بطور مثال ونظیر، عہد رسالتؐ وصحابہؓ اور مشہور قضاۃِ اسلام کے فیصلے لکھے جائیں۔ مقرر کئے جانے والے قاضی باضابطہ اس رسالہ کا مطالعہ کریں تاکہ اس کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کر سکیں۔

(۳) سنہ ۱۳۴۷، ۱۳۴۶ھ کے حسابات کسی مستند شخص سے جانچ کرائے

جائیں اور ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ تک شائع کر دیئے جائیں۔

(۴) جدید مجلسِ شوریٰ امارت شرعیہ ۹، ۱۰ مئی ۱۹۵۷ء کو طلب کی جائے اور اس کا ایجنڈا اس عاجز کے مشورہ سے مرتب کیا جائے۔"

اس فرمان کے مطالعہ کے بعد آسانی کے ساتھ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امیر شریعت رابع مدظلہ، کے عزائم کیا ہیں؟ اور وہ کن اصولوں کے تحت امارتِ شرعیہ کے کاموں کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں؟ اور کن میدانوں میں امارتِ شرعیہ کے ذریعہ مسلمانوں کی ملی اور اجتماعی خدمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔

امیر شریعت رابع کی زندگی

اہلِ علم جانتے ہیں کہ امیر شریعت رابع اپنے علم وفضل، اخلاق واعمال، خاندانی وجاہت اور ذاتی خدمات اور خصوصیات وکمالات کی وجہ سے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

آپ قطب الارشاد مجدد العلم والعرفان حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری قدس سرہ (م ۱۳۴۶ھ) کے فرزند ارجمند اور مرکز رشد وہدایت خانقاہ رحمانی کے سجادہ نشین اور گہوارۂ علم وفن "دار العلوم دیوبند" کی مجلسِ شوریٰ اور دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلسِ منتظمہ کے رکنِ رکین ہیں۔ آپ اپنے ساتھیوں اور ہم عصروں میں شروع ہی سے ممتاز اور نمایاں رہے ہے۔

آپ نے حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت ثانی (متوفی ۱۴ر مئی ۱۹۷۳ء)، حضرت مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب (متوفی ۱۳۷۹ھ)

حضرت مولانا حفیظ اللہ صاحب اعظمی (متوفی ۷ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ) حضرت
حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ محدث (متوفی ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ)
حضرت مولانا محمد شبلی صاحب فقیہہ اعظمیؒ (متوفی ۱۳۶۳ھ) حضرت مولانا عبد الحلیم
صاحب صدیقیؒ، حضرت مولانا عبد الرحمن صاحب نگرامیؒ (متوفی مارچ ۱۹۲۶ء)
حضرت مولانا عبد الودود صاحب اعظمیؒ (متوفی ۱۳۷۰ھ) شیخ الاسلام حضرت
مولانا حسین احمد مدنی رح (متوفی ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء) حضرت مولانا سید اصغر حسین
صاحب دیوبندیؒ (متوفی ۲ محرم ۱۳۶۴ھ) حضرت مولانا رسول خاں صاحب
سرحدیؒ (متوفی ۴ رمضان ۱۳۹۱ھ) حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ
(متوفی ۲۴ رمضان ۱۳۸۷ھ) حضرت مولانا اعزاز علی صاحب (متوفی ۱۳ رجب
۱۳۷۴ھ) اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مدظلہٗ جیسے
جیّد اور ماہر اساتذہ سے تعلیم پائی ہے۔ اور حضرت مولانا محمد عارف صاحب
ہرسنگھ پوریؒ (متوفی ـــــ) کے خلیفہ مجاز ہیں۔ تصنیف و تالیف اور
علمی کاموں سے مناسبت و شغف آپ کو زمانہ طالب علمی ہی سے ہے۔

گرچہ ۱۹۳۲ء ہی میں آپ نے جنگِ آزادی کی تحریک میں حصہ لیا اور اس
کی پاداش میں آپ کو جیل کی مصیبت اٹھانی پڑی ہے۔ لیکن ۱۹۳۵ء سے
آپ نے مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ کی نگرانی و سرپرستی میں
سیاسیات میں باضابطہ حصہ لینا شروع کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جرأت و تدبر اور دور اندیشی و معاملہ فہمی عطا
کر رکھی ہے اور جس بصیرت و عزیمت کا آپ کو مالک بنایا ہے اس نے

آپ میں بے پناہ کشش اور دل کشی پیدا کر دی ہے۔ پھر جوشِ عمل، زورِ بیان، بے لوث خدمتِ خلق اور اپنوں وغیروں سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگ والہانہ انداز سے آپ کی طرف لپکتے ہیں اور آپ کی باتوں پر عمل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے اس وقت آنکھ کھولی جب امارت کی تحریک کی پورے ملک میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ اپنی زندگی کے آغاز ہی سے امارت کی تحریک و دعوت سے آپ وابستہ ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے ملک وملت کو جو فائدہ پہونچ رہا ہے اور آپ کے دورِ امارت میں امارتِ شرعیہ نے جو ہمہ جہتی ترقی کی ہے وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔

آزاد اسلام کا نعرہ

۱۹۵۵ء میں حضرت امیر شریعت مدظلہ نے بہار کے مرکزی شہر دربھنگہ میں ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب فرمایا۔ اس موقعہ پر آپ نے ایک تاریخی تقریر فرمائی جس میں مسلمانوں کو آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کا نعرہ دیا۔ آپ نے فرمایا:۔

"مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا تم اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہو؟ اگر میں اسلام کو بہتر سمجھتا ہوں تو کیا میں برادرانِ وطن کو اسلام کی افادیت کا گرویدہ بنانے کی کوشش نہیں کروں گا؟ کیا یہ میری خواہش نہیں ہوگی کہ ہندوستان کا قانون اسلام کے مطابق ہو؟ کیا مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی کہ ہندو کوڈ بل کا معتد بہ حصہ ہدایہ اور شرح وقایہ سے لیا

گیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہندوستان کے قانون کو اسلام سے قریب تر کرنے کی جائز اور پُرامن کوشش کرے۔ اگر ملک میں کوئی بُرائی ہے اور اس پر ہم راضی اور خوش ہیں اور اس بُرائی کو ہم دُور کرنا نہیں چاہتے تو ہمیں اس ملک میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ ایسی حالت میں ترکِ وطن واجب ہے۔"

آپ نے مزید فرمایا:۔

"امارتِ شرعیہ ہر مسلک و مشرب کے مسلمانوں کا ادارہ ہے۔ یہ کسی خاص مسلک کی تنظیم نہیں ہے۔ اہلِ حدیث ہوں یا بریلوی، دیوبندی ہوں یا ندوی۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اس نظام میں انھیں اپنی انفرادیت کے محفوظ رکھنے کا پورا موقعہ ملے گا۔"

اس تقریر سے جہاں مسلمانوں میں اپنے ملّی وجود کو باقی رکھنے کا جذبہ پیدا ہوا وہاں انگریزی اور ہندی پریس نے روایتی طریقہ پر خاص انداز میں اس کا نوٹس لیا۔

مشہور انگریزی روزنامہ "سرچ لائٹ" (SEARCH LIGHT) ہندی روزنامہ "آریہ ورت"، اور دوسرے اخبارات نے اس صدائے حق کے خلاف مسلسل مخالفانہ نوٹس اور مضامین شائع کیے "سرچ لائٹ" ایک متوازن اخبار سمجھا جاتا ہے، مگر اس نے بھی یہ شاہ سرخی جمائی:۔

PLAN TO CONVERT ALL NON-MUSLIMS TO ISLAM?
COMMUNAL CAMPAIGN BY AMIR SHARIAT
(Serch light, NOV 28, 1957)

"کیا تمام غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے!
امیر شریعت کی فرقہ وارانہ تنظیمی جدوجہد"

دوسرے اخبارات نے بھی عوام میں غلط فہمی اور اشتعال پیدا کرنے کے لیے مختلف انداز میں تبصرے کیے مسلمانوں میں کچھ لوگ جو حکومت کے ہواخواہ تھے، انھوں نے بھی اپنا فرض پورا کیا۔ اور امارت کے خلاف حکومت کو مشتعل کرنے کی کوشش کی مگر بحمداللہ اس غلط پروپیگنڈے سے نہ حضرت امیر شریعت مدظلہ مرعوب و متاثر ہوئے اور نہ امارت کے کارکنوں میں کوئی سراسیمگی پیدا ہوئی۔ امارت شرعیہ کے ترجمان "نقیب" نے پوری قوت کے ساتھ غلط فہمیوں کو دور کرنے اور غلط پروپیگنڈے کو مٹانے کی کامیاب کوشش کی، اردو پریس کے بڑے حلقہ نے امارت کی خدمات کو سراہا۔ حضرت امیر شریعت کے پیغام کی تحسین کی اور ایسے نازک وقت میں جرأت و ہمت اور حق گوئی و بے باکی کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی پر مبارکباد دی۔

مشہور اہلِ علم اور صاحب قلم حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے ایک شذرہ تحریر فرمایا جس کا عنوان تھا "دلیرانہ مطالبہ"۔ حضرت امیر شریعت کے پیغام و بیان اور امارتِ شرعیہ کی آواز کی تائید میں تفصیلی نوٹ لکھتے ہوئے اخیر میں آپ نے اظہارِ خیال فرمایا:۔

"بہت اونچا جا رہا ہے امارتِ شرعیہ، اب بھی یہ دم خم رکھتا ہے کہ آزاد ہندوستان کے اندر آزاد اسلام کے خواب کی تعبیر پوری کرائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس ہمت کو استقامت نصیب کرے۔ جدید امیر شریعت، بہر صورت اپنے اس مؤمنانہ اقدام کے لیے مستحق تبریک و تحسین ہیں۔" (صدقِ جدید)

پہلی پریس کانفرنس حضرت امیر شریعت مدظلہ نے محسوس کیا کہ انگریزی اور ہندی پریس کے غلط پروپیگنڈے کی اصل وجہ ناواقفیت ہے۔ ملک کی آزادی کے بعد جو نیا ذہن پیدا ہوا ہے۔ اس نے امارتِ شرعیہ کو نہیں سمجھا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو بھی وہ ایک خطرہ سمجھتا ہے۔ صورت حال کا صحیح اندازہ کر کے آپ نے ۱۵؍ دسمبر ۱۹۵۸ء کو گرینڈ ہوٹل پٹنہ میں ایک پریس کانفرنس بلائی، جس میں انگریزی، ہندی اور بنگلہ اخبارات کے نمائندوں کو خصوصیت سے مدعو کیا گیا، یہ پہلی پریس کانفرنس تھی جس میں امارتِ شرعیہ کے اعلیٰ مقاصد، پروگرام اور طریقۂ کار کو بہت واضح طور پر لوگوں کے سامنے رکھا گیا۔ اس موقعہ پر حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب مدظلہ نے اپنا ایک بیان پریس کے حوالہ کیا جس کے بعض ضروری حصے درج ذیل ہیں:-

"اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ مسلمان دنیا کے جس کونے میں بھی رہیں، اور جس حالت میں بھی رہیں انھیں ایک مذہبی سردار کے ماتحت زندگی گذارنی چاہیئے۔ ہمارے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک حکم دیا۔ اگر تین آدمی سفر میں

جا رہے ہوں تو انھیں چاہیئے کہ ایک کو اپنا سردار بنالیں"۔ اسلام خودرائی اور انتشار کی زندگی کو پسند نہیں کرتا، وہ نظم، ڈسپلن اور سمع وطاعت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ جو لوگ عربی سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسلام کے معنی ہی فرمانبرداری کے ہیں اور مسلمان اسی کو کہتے ہیں جو فرمانبرداری کا اقرار کرے لیکن یہ فرمانبرداری اور طاعت ہماری اور آپ کی نہیں بلکہ خدا کی جس نے ہر چیز کو زندگی بخشی اور پورے عالم کی پرورش کرتا ہے۔ سردار اور امیر جس کے ماتحت رہنے اور جس کے حکم پر چلنے کی تاکید اسلام نے کی ہے اس کی باتوں کو ماننا اور اس کی اطاعت کرنا اصل میں خدا ہی کی اطاعت ہے۔ اس لیے کہ اس سردار اور امیر کو اپنی طرف سے کوئی حکم دینے کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ ایسی ہی باتوں کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے جو خدا کے حکم اور مرضی کے مطابق ہو۔ اگر سردار اور امیر کسی ایسی بات کا حکم دے جو خدا کے حکم کے خلاف ہو اور بھلائی کے بجائے برائی پھیلانے والی ہو تو ایسے حکم اور ایسی باتوں کو ماننا مسلمانوں کے لیے درست نہیں۔ غرض مذکورہ باتوں کے پیش نظر صوبہ بہار و اڑیسہ میں آج سے ۳۷ برس پہلے ایک مذہبی تنظیم قائم کی گئی۔ اسی کا نام "امارت شرعیہ" ہے۔" آگے امارت کا مقصد واضح کرتے ہوئے فرمایا۔

"مسلمانوں کو اسلام کے صحیح اور بنیادی اصولوں کی طرف رہنمائی کرنا، ان میں دینی شعور پیدا کرنا اور انھیں یہ بتانا کہ اسلام کا لیبل لگانے کے بعد انسان پر

کون سے فرائض اور کیسی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ انھیں خدا اور رسول کی اطاعت پر آمادہ اور مستعد کرنا، مسلمانوں میں یہ جذبہ ابھارنا کہ وہ دنیا میں صرف اس لیے نہیں پیدا کیا گیا کہ وہ دنیا کی نعمتوں سے لذت اٹھائے، پھر موت کی گود میں ہمیشہ کی نیند سو جائے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اپنی طاقت بھر بھلائیوں کو پھیلائے اور برائیوں کو روکے خواہ اس فرض کے انجام دینے میں اسے دنیاوی تکلیفیں اور مصیبتیں ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

امارت شرعیہ چاہتی ہے کہ صوبہ بہار و اڑیسہ کا مسلمان ایک سچا مسلمان بن کر اپنے ملک کو آگے بڑھائے۔ اور اس کی ترقی میں پورا حصہ لے نیز ہمارا مقصد یہ بھی ہے کہ ہم اسلامی اصولوں کو دنیا کے سامنے پیش کریں اس لیے کہ ہمارا یہ یقین ہے کہ اسلام صداقتوں اور سچائیوں کا مجموعہ ہے۔ اور ایک ایسی دولت ہے جو کسی فرد، خاندان، قوم یا ملک کی جاگیر نہیں بلکہ ہر وہ انسان اس کا حق دار اور حصہ دار ہے جو حق کو تلاش کرتا ہے اور سچائی پر چلنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اسلام اور اس کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا ہم اپنا ایک اہم اور خوشگوار فرض سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہماری دعوت کا قبول کرنا اور نہ کرنا یہ سننے والوں کی مرضی پر موقوف ہے۔

غرض مسلمانوں کو ان کے صحیح مقام پر پہونچانا اور سچائی اور صداقت جو اسلام کی دوسری تعبیر ہے۔ دنیا کے سامنے اس کو پیش کرنا، برائی کو اپنے مقدور بھر اکھاڑ پھینکنے کی کوشش میں لگے رہنا ہمارا مقصد ہے اور اس راہ میں تکلیفیں آئیں تو اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس لیے کہ ہم

اسی میں دُنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات کا یقین رکھتے ہیں۔" (بیان امیر شریعت)

حضرت امیر شریعت کے اس بیان کے بعد اخباری نمائندوں نے پوری آزادی کے ساتھ سوالات کیے، اور حضرت امیر نے ان کا تسلی بخش جواب دیا۔ پریس کانفرنس کی رپورٹ اور حضرت امیر کا بیان، اخبارات میں جیسے ہی آیا۔ تو نہ صرف یہ کہ جھوٹے پروپیگنڈے کا جال ٹوٹ کر رہ گیا۔ بلکہ امارت شرعیہ کے نصب العین اور اس کے کاز سے لوگوں کو مزید دلچسپی پیدا ہوگئی اور اس سے امارت کا دقار بلند سے بلند تر ہوگیا۔

موجودہ امیر شریعت کے عہد میں امارت شرعیہ کے دفتری نظام اور تمام شعبہ جات میں کافی ترقی ہوئی اور استحکام آیا۔ امارت شرعیہ کی خدمات کا دائرہ بھی عملی طور پر بہت وسیع ہوا۔ اور مزید استحکام و وسعت ہوتی جارہی ہے۔ جس کا اندازہ اگلے اوراق سے ہوگا

۱۳۹۳ھ کا عظیم حادثہ حضرت امیر شریعت رابع کے دور کا اہم حادثہ حضرت نائب امیر شریعت ثانی مولانا عبدالصمد رحمانی کا وصال ہے۔ آپ مسلسل ۳۳ سال نائب امیر شریعت رہے۔ آپ ۱۳۰۰ فصلی باڑھ میں پیدا ہوئے۔ متبحر عالم تھے۔ اسلام کے اجتماعی نظام اور فقہ کے اصول پر آپ کی نگاہ بڑی گہری تھی۔ بیعت کا شرف قطب عالم حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ سے حاصل تھا۔ اور قومی و علمی کاموں کا سلیقہ حضرت مولانا سجادؒ کی صحبت میں رہ کر پایا ثقافت اسلامی پر عبور کامل کے لحاظ سے ہندوستان کے علمی و دینی حلقوں میں، ہمیشہ آپ کا منفرد اور ممتاز مقام رہا ہے۔ بیشمار

خوبیوں کے باوجود مزاج میں بڑی سادگی تھی۔ ۱۴؍مئی ۱۹۷۳ء مطابق ۱۰؍ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ روز دوشنبہ کو دن کے گیارہ بجے خانقاہ رحمانی مونگیر میں واصل بحق ہوئے۔ مزارِ مبارک خانقاہ رحمانی سے متصل خانقاہ ہی کے قبرستان میں ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۶۷ ہے۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی کی وفات کے بعد حضرت امیر شریعت رابع مدظلہٗ نے حسبِ ذیل فرمان کے ذریعہ ۱۴؍جمادی الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۶؍جون ۱۹۷۳ء روز شنبہ کو نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ کے منصب جلیل پر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہٗ کو نامزد فرمایا۔

"حضرت الاستاد مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ کے وصال سے جہاں مسندِ علم و فن خالی ہوئی وہاں نائب امیر شریعت کے منصب پر نئی تقرری کا سوال بھی ہمارے سامنے آگیا۔

میں نے اس مسئلہ پر غور کیا، امارتِ شرعیہ کے ذمہ داروں، ساتھ کام کرنے والوں، شوریٰ کے کچھ ارکان اور اپنے بعض بزرگوں سے بھی مشورہ کیا جس سے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدرسہ حمیدیہ، گودنا، سارن اس منصب کے لیے زیادہ موزوں شخص ہیں۔ جو ہمیں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدرسہ حمیدیہ گودنا سارن کو نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ مقرر کرتا ہوں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ اس

انتخاب کو امارتِ شرعیہ اور مسلمانانِ بہار و اڑیسہ کے لئے
باعث فلاح و برکت بنائے آمین۔

منت اللہ غفرلہ
امیر شریعت بہار و اڑیسہ
۲۴ر جمادی الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۶ر جون ۱۹۷۳ء روز شنبہ

اب حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ نائب امیرِ شریعت ثالث ہیں۔ آپ بھی حضرت مولانا سجاد علیہ الرحمۃ کے صحبت یافتہ بزرگوں میں سے ہیں۔ آپ اپنے عنفوانِ شباب ہی سے امارت کی تحریک سے وابستہ ہیں۔ حضرت مولانا ریاض احمدؒ کے مجاز و خلیفہ ہیں۔ صاحب بیعت و ارشاد ہیں۔ آپ حضرت مولانا ریاض احمدؒ، حضرت مولانا محمد سہول بھاگلپوریؒ حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ۔ حضرتِ مولانا اصغر حسین صاحب بہاریؒ جیسے ممتاز علماء کے شاگرد ہیں۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کے ہاتھوں امارتِ شرعیہ کے مقاصد کو مزید پروان چڑھائے۔ آمین۔

امارتِ شرعیہ کا نظام

اسلامی تعلیمات کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ تک پہونچاتا ہے کہ مسلمان جہاں کہیں بھی رہتے ہوں اور جس حال میں بھی ہوں، انھیں اجتماعی نظم کے ماتحت زندگی گزارنی چاہیئے، اور اس اجتماعی نظم کو اسلام کی دی ہوئی ہدایتوں کی بنیاد پر قائم ہونا چاہیئے تاکہ مسلمان حق تعالیٰ کے دیئے ہوئے اوامر و احکام پر عمل کر سکیں اور مسلمانوں کا یہ دینی اور اجتماعی نظم ایک ایسا ماحول تیار کر سکے جس میں اسلامی احکام پر عمل کرنے میں کشش اور سہولت حاصل ہو، نیز یہ اجتماعی نظم مسلمانوں کو ملک اور معاشرہ میں ایک ممتاز مقام دے سکے۔

قرآن مجید میں اس اجتماع کے لیئے واضح ہدایتیں موجود ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اچھی تشریح فرمائی ہے کہ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِاِمَارَةٍ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِطَاعَةٍ

حضرت عمرؓ کی تشریح کے مطابق اسلام کا کامل تصور جماعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، اور جماعت کو اسی وقت جماعت کہا جا سکتا ہے جبکہ امارت موجود ہو، اور امارت کے کارآمد ہونے کے لیئے طاعت لازم ہے

یہ طاعت مسلمانوں کے لیئے ہر حال اور ہر زمانہ میں مطلوب ہے، خواہ تنگی و دشواری کا زمانہ ہو، خواہ فراخی و آسانی کا۔ چاہے وہاں اسلامی حکومت قائم ہو چاہے وہ کسی غیر اسلامی حکومت میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ فقہار اسلام نے تفصیل و تشریح کے ساتھ ان مسائل پر بحث کی ہے اور اس ضرورت کا اظہار کیا ہے، ساتھ ہی امارت و طاعت کو واجب قرار دیا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:-

کما ھو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیھم الکفار کقرطبۃ فی بلاد المغرب الآن وبلنسیۃ وبلاد الحبشۃ واقروا المسلمین عندھم علیٰ مال یوخذ منھم یجب علیھم ان یتفقوا علیٰ واحد منھم یجعلونہ والیا الخ (الجلد السادس مصری ص۳۶۵)

امارت مسلمانوں کی ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے جو غیر اسلامی ریاستوں میں بھی پوری اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اس ضرورت کی تکمیل کے بعد ہی مسلمانوں کا دینی نظام قائم ہو سکتا ہے اور معاشرہ میں جماعتی حیثیت سے وہ ممتاز مقام پا سکتے ہیں امارت کے قیام کے بعد ہی ممکن حد تک شرع اسلامی کا نفاذ ہو سکتا ہے، اور اسی امارت کے نظام کے تحت مسلمانوں کے شخصی مسائل (جسے پرسنل لار کہا جاتا ہے) اسلامی طریقہ پر انجام پا سکتے ہیں، مسلمانوں میں دینی شعور، اسلامی مزاج اور دینی تعلیم عام ہونے کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ امارت ہی کے نام پر کلمہ کی وحدت کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کی مضبوط اور مؤثر تنظیم قائم کی جا سکتی ہے، پھر اس تنظیم کے ذریعہ مختلف قسم کے داخلی و خارجی فتنوں اور حملوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور ایسے منصوبے بروئے کار لائے جا سکتے ہیں جن کے ذریعہ علمی، اقتصادی، تکنیکی اور

سائنٹیفک شعبوں میں مسلمان، مسلمان رہتے ہوئے بہتر کارکردگی اور اچھی صلاحیت کا ثبوت دے سکتے ہیں۔

اس لیئے ہر زمانہ میں علماء اور اہل علم نے اس ضرورت کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا اور جہاں بھی اجتماعی نظم کی دینی شکل (امارت) کا قیام ممکن ہوسکا انھوں نے اسے قائم کیا۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اس دینی ضرورت کا ہمیشہ خیال رہا ہے اور اسے پورا کرنے کی کوششیں برابر ہوتی رہی ہیں جن میں ایک اہم اور نتیجہ خیز کوشش حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمۃ نے فرمائی ہے جس کے نتیجہ میں ہندوستان کے دو صوبوں بہار واڑیسہ میں امارت شرعیہ قائم ہوئی۔

دراصل "امارت شرعیہ" اسلام کے نظم اجتماعی کی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک منظم کاوش ہے۔ اجتماعی نظم کے لیئے جو چیزیں بھی لازمی ہیں وہ امارت شرعیہ کے مقاصد میں داخل ہیں۔ امیر کا انتخاب و تعین دینی خطوط پر مسلمانوں کی تنظیم، شریعت اسلامیہ کا ممکن حد تک نفاذ، مسلمانوں میں دینی شعور بیدار کرنا، دینی تعلیم عام کرنا، ان کی معاشی زندگی کی تنظیم، جدید علوم (سائنس اور تکنیک) میں ترقی کی ترغیب، معاشرہ میں پیدا شدہ خرابیوں اور غیر اسلامی رسم ورواج کا خاتمہ، مسلمانوں کی آواز میں قوت پیدا کرنے کے لیئے انھیں مسلک و مشرب کے اختلاف سے قطع نظر وحدت کلمہ کی بنیاد پر ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، فتنۂ ارتداد اور دوسرے خارجی و داخلی حملوں سے حفاظت، امت اسلامیہ میں عالمی تصور پیدا کرنا اور مسلمانوں کے قومی اور بین الاقوامی مسئلوں کے حل کی ممکن حد تک جدوجہد کرنا۔ یہ تمام امور اور مسائل

امارت شرعیہ کے بلند و پاک مقاصد کے نمایاں عنوانات ہیں۔ ان مقاصد کے حصول کے لیئے امارت شرعیہ ایک امیر کے تحت سرگرم سفر ہے اور اس کا نظام شورائی ہے۔ اس لیئے مشورہ وتبادلۂ خیال کی خاطر بہار واڑیسہ کے مختلف طبقات، مختلف نقطہائے نظر اور مختلف مسلک و مشرب کے ذمہ دار حضرات پر مشتمل ہر دور میں ایک مجلس شوریٰ رہی ہے۔ موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ نے اپنے دورِ امارت میں شوریٰ کو بہت زیادہ متحرک اور فعّال بنا دیا ہے سال کے مقررہ اوقات میں پابندی سے اس کے اجلاس ہوتے ہیں، بلکہ ضرورتاً اس کے غیر معمولی جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں، بسا اوقات شوریٰ کے جلسوں میں دوسرے اہل الرائے حضرات کو بھی مدعو خصوصی کی حیثیت سے بلایا جاتا ہے اور ان کے قیمتی مشوروں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

امارت شرعیہ کے نظام کے تحت مسلمانوں کی تنظیم کی صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی ہر آبادی کو ایک "وحدت" تسلیم کر کے اس آبادی کے لیئے وہاں کے لوگوں کے مشورے سے ایک دینی سردار کا تقرر کیا جاتا ہے، جس کا نام "نقیب" ہے اور پھر ان منظم وحدتوں کے ایک مجموعہ کے لیئے متعدد نقباء پر ایک دینی سردار کا تقرر عمل میں آتا ہے جسے رئیس النقباء کہتے ہیں، اس کے بعد سیکڑوں منظم وحدتوں یعنی پورے سب ڈویژن یا ضلع کی تنظیم کی دیکھ بھال کے لیئے متعدد رئیس النقباء پر "صدر النقیب" مقرر کیا جاتا ہے۔ اس طرح مختلف آبادیوں کے مسلمان نقیب، رئیس النقباء، اور صدر النقیب کے ذریعہ امیر شریعت کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔

امارت شرعیہ کے مقاصد اور اس کے مذکورہ بالا نظام کے پیش نظر امارت

کا میدانِ عمل مختلف شعبوں میں پھیلا ہوا ہے جس کی ضروری تفصیل اور اہم خدمات نیچے لکھی جا رہی ہیں۔

دار القضاء

امارت شرعیہ کا ایک اہم ترین شعبہ "دار القضاء" ہے۔ قضاء کا نظام ۱۸۵۷ء کے کچھ دنوں بعد ہندوستان میں باقی نہیں رہا۔ انگریزوں نے آتے ہی سب سے پہلا حملہ اسی شعبہ پر کیا اور مسلمانوں کو اس اہم شعبہ سے خصوصیت کے ساتھ محروم کیا، تاکہ قانونِ اسلامی کی تنفیذ اور اس کا اجراء بند ہو جائے۔ مسلمانوں کا نظامِ زندگی شرعی فیصلوں کے بغیر مختل ہو کر رہ جائے اور بہت سے وہ مسائل جن میں غیر مسلم ججوں کا فیصلہ سرے سے جائز نہیں ہے مسلمان اپنے مذہب کے خلاف، یا تو اسے تسلیم کریں یا پھر زندگی کے اس حصہ میں تعطل برداشت کریں۔ انگریزوں نے سوچا کہ ان دونوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی مذہبی زندگی خود ان کے لئے بارِ گراں بن جائے گی اور بتدریج ان میں مذہب سے دوری پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

حضرت مولانا محمد سجاد نور اللہ مرقدہٗ کو اس کا بہت زیادہ خیال تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسے جذبات پیدا ہوں کہ وہ اپنے مقدمات کے فیصلوں کے لئے کتاب وسنت کی راہ اختیار کریں۔ اسی لئے آپ نے دار القضاء کے قیام واستحکام پر پوری توجہ دی۔ دونوں صوبوں کے مسلمانوں کو دار القضاء اور اس کی اہمیت سے روشناس کرایا، اور ان میں احکامِ خداوندی کو اپنے اوپر نافذ کرنے کا جذبہ پیدا کیا، خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں نے اس کا خاطر خواہ اثر لیا۔ اپنے مقدمات دار القضاء میں دائر کیئے اور قاضی کے فیصلوں کو دونوں فریق نے رضاء ورغبت

سے قبول کیا اور آج بھی دونوں صوبوں میں ایسی فضا قائم ہے کہ مسلمان اپنے مقدمات نہایت مسرت کے ساتھ دارالقضاء میں دائر کرتے ہیں، اور قاضی کے فیصلے کو عقیدت کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

الحمدللہ اب ان دونوں صوبوں سے باہر بھی ملک کے مختلف حصوں میں دارالقضاء کی اہمیت اور ضرورت کا شدت سے احساس پیدا ہوتا جارہا ہے، چنانچہ مہاراشٹر کے ممتاز شہر مالیگاؤں میں دارالقضاء قائم ہوچکا ہے، اسی طرح یوپی میں خورجہ کے مسلمانوں نے دارالقضاء قائم کرلیا ہے اور آندھرا پردیش کے مشہور شہر حیدرآباد میں بھی ایک دارالقضاء کا قیام عمل میں آچکا ہے،

یوں تو دارالقضاء میں ہر طرح کے مقدمات دائر ہوتے ہیں، لیکن مقدمات کی بڑی تعداد وہ ہے کہ جس کا تعلق زن وشو کے اختلافات سے ہے، دوسرے لفظوں میں دارالقضاء زیادہ تر "مسلم پرسنل لاء" سے متعلق مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے اور یقینی طور پر یہی دارالقضاء مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کا سب سے قوی اور بہترین ذریعہ ہے۔

گو امارت شرعیہ اور اس کا دارالقضاء حکومت کا منظور کردہ ادارہ نہیں ہے پھر بھی مسلمان اپنے معاملات دارالقضاء میں فیصلہ کی خاطر پیش کرتے ہیں اور باوجودیکہ امارت شرعیہ کے پاس دارالقضاء کے فیصلہ کے اجراء و نفاذ کے لیے کوئی مادی طاقت نہیں ہے لیکن با ایں ہمہ مسلمان، اللہ ورسولؐ اور امیر کی اطاعت کے جذبہ سے دارالقضاء کے فیصلوں کو یہ سمجھ کر قبول کرتے ہیں کہ ہم احکام خداوندی کو اپنے اوپر جاری و نافذ کر رہے ہیں۔ باون (۵۲) سال کے عرصہ میں صرف گیارہ مقدمات ایسے ہیں

جن میں ایک فریق نے قاضی کے فیصلوں کو نہیں مانا اور سرکاری عدالت کی طرف رجوع کیا، لیکن دارالقضاء کی منظم کارروائی، مقدمہ کی مسل کی صحیح ترتیب اور قاضی شریعت کے ہوشمندانہ اور عادلانہ فیصلے کے طفیل بحمداللہ سرکاری عدالتوں نے بھی وہی فیصلے دیئے جو دارالقضاء سے صادر ہوئے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ کبھی کبھی تو خود عدالتیں مسلمانوں کے مذہبی مقدمات کو جن کا تعلق نکاح، طلاق، خلع، حضانت، ولایت، وقف، ہبہ، مساجد، مقابر وغیرہ سے ہوتا ہے فیصلے کے لئے دارالقضاء بھیج دیا کرتی ہیں اور اب تو دارالقضاء کے فیصلوں کی ایسی ساکھ قائم ہو چکی ہے کہ غیر مسلم حضرات بھی مقدمات میں فریق بن کر آتے ہیں اور بعض دفعہ وہ بھی اپنے معاملات فیصلہ کے لئے دارالقضاء میں پیش کرتے ہیں۔

قاضی کے فیصلہ کی اپیل دارالقضاء امارت شرعیہ میں مقدمات کی اپیل کا نظام بھی قائم ہے، اگر کسی فریق کو مرکزی دارالقضاء کے فیصلے پر اطمینان نہ ہو تو وہ براہِ راست حضرت امیر شریعت کی عدالتِ عالیہ میں اپیل کر سکتا ہے اور اب جبکہ متعدد ماتحت دارالقضاء کھل گئے ہیں تو ان کے فیصلوں کا مرافعہ (اپیل) مرکزی دارالقضاء کے قاضی شریعت کے پاس ہوتا ہے۔

اب تک مرکزی دارالقضاء سے تقریباً نو ہزار (۹۰۰۰) مقدمات کے فیصلے ہو چکے ہیں۔ ماتحت دارالقضاء میں دائر ہونے والے مقدمات اور اس کے فیصلوں کی کثیر تعداد اس کے علاوہ ہے۔

قضاۃ کی تربیت کا نظم دارالقضاء کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ نے اپنے انتخاب کے بعد

پہلی فرصت میں قاضیوں کی تربیت کا نظم فرمایا۔ تربیت قضاء کے لیئے دو ہفتے مقرر کیئے۔ پہلا ہفتہ ۱۶؍ اگست ۱۹۵۸ء سے ۲۱؍ اگست تک اور دوسرا ہفتہ ۳۰؍ اگست سے ۴؍ ستمبر ۱۹۵۸ء تک۔

اس سلسلہ میں ذی استعداد اور ہوشمند علماء کو شرکت کی دعوت دی گئی اور حضرت امیر شریعت مدظلہ نے مندرجہ ذیل مکتوب گرامی ان کے نام جاری فرمایا:

"یہ عریضہ ایک اہم دینی ضرورت سے ارسالِ خدمت ہے، صوبہ میں ہر سال ہزاروں ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ لوگ نکاح کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ ظلم و ستم کرتے ہیں، طلاق دیئے بغیر چھوڑ دیتے ہیں، مفقود الخبر ہو جاتے ہیں، مہلک امراض میں مبتلا ہو کر حقوقِ زوجیت ادا کرنے کے لائق نہیں رہتے مجبوراً ان کی منکوحہ بیوی ان سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہے، اور وہ اسے طلاق نہیں دیتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ ان کے نام پر اپنی زندگی نہایت کسمپرسی اور فقر و فاقہ سے گذار دیتی ہے یا پھر کسی سے ناجائز تعلق پیدا کرتی ہے یا طلاق حاصل کیئے بغیر کسی دوسرے سے ناجائز طور پر عقد کر لیتی ہے۔ نتیجہ میں اسلامی معاشرہ برباد ہوتا ہے اور دینِ محمدی کی اعلانیہ خلاف ورزی کی جاتی ہے۔

اب اگر عورت حکومت کی عدالت میں درخواست دے کر ایسے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو ظاہر ہے کہ عدالتوں میں مسلم اور غیر مسلم حاکموں کا کوئی امتیاز نہیں ہے، بالعموم عدالتوں میں نکاح

کے فسخ کرنے والے حاکم غیر مسلم ہی ہوتے ہیں، اور شرعاً ان کا فسخ نافذ نہیں، اس لئے اگر وہ اس قسم کے فسخ کے بعد عقد ثانی کرتی ہے، تو پھر بھی زندگی بھر ایک حرام فعل میں مبتلا رہتی ہے،

اس دینی مشکل کا حل صرف امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے پاس ہے کہ اس ادارہ میں نکاح وطلاق کے معاملات کے لئے قاضی مقرر ہیں، جن کے فیصلے شرعاً نافذ اور قابل قبول ہیں۔ اس وقت تک دفتر دار القضاء امارت شرعیہ صرف ایک ہے، اور وہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ میں ہے، ظاہر ہے کہ ایک دفتر اور ایک قاضی پورے صوبہ کی اس اہم اور کثیر الوقوع ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے اس لئے ضروری ہے کہ جہاں جہاں بھی قضاء کا نظم ممکن ہو کیا جائے جس کے ذریعہ سے متعلقہ حلقہ کی ضرورت پوری ہو سکے۔

امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ کے پاس اس وقت اتنا فنڈ نہیں کہ وہ ہر جگہ باضابطہ دار القضاء کا دفتر کھول کر باتنخواہ قاضی مقرر کر سکے اس لیے اس اہم دینی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر حسب ذیل لائحہ عمل بنایا گیا ہے۔

(الف) صوبہ میں ایسے لوگوں کو قاضی مقرر کیا جائے جو دینی علم، عقل اور دیانت میں امتیاز رکھتے ہوں اور اعزازی طور پر اس دینی کام کو انجام دے سکیں۔

(ب) الف کے ذریعہ مقرر کردہ قاضیوں کا تعلق کسی مدرسہ سے

ہو تو بہتر ہے۔

(ج) مدرسہ کے منتظمین سے درخواست کی جائے کہ وہ امارت کے مقرر کردہ قاضی کو ہفتہ میں دو دن (جمعرات، جمعہ) قضا کا کام کرنے کی اجازت دیں۔

(د) مدرسہ کے منتظمین سے درخواست کی جائے کہ وہ ایک کمرہ دفتر دار القضاء کے لیے عنایت کریں جس پر دفتر کا بورڈ لگا ہوا ہو، اور جس میں قاضی بیٹھ کر اپنے فرائض کو انجام دے سکے۔

(ہ) مدعیہ اور مدعا علیہ سے مقدمہ کے اخراجات کے لیے کوئی مقررہ رقم لی جائے نیز عرضی دعویٰ، بیان تحریری اور درمیانی مراحل کی درخواستوں کے لیے فارم طبع کر لیے جائیں جو لوگوں کو قیمتاً حاصل ہو سکیں۔ اور اس آمدنی سے مقامی دفتر دار القضاء کا خرچ پورا کیا جائے۔

(و) مذکورہ بالا امور کے پیش نظر جتنے حضرات بھی صوبہ کے اندر مل سکیں انھیں مقررہ تاریخوں پر کسی مناسب جگہ جمع کیا جائے اور روزانہ مقدمات کی پیشی ان کی موجودگی میں ہو، نیز وہ حضرات زیر تجویز اور فیصل شدہ مقدمات کی مسلوں کا مطالعہ کریں، تاکہ مقدمات کی سماعت اور اُن کے فیصلوں کا اسلوب و نہج ان کی نظر سے گذر جائے اور پھر انھیں مقدمات کے فیصلہ میں سہولت ہو۔

(ز) مذکورہ بالا تربیت کے بعد انھیں مختلف علاقوں میں بحیثیت

قاضی مقرر کیا جائے اور یا تو انھیں فی الفور فیصلہ کے اختیارات دیدیئے جائیں یا سرِ دست صرف مقدمات کے مسلوں کی تکمیل ان کے سپرد رہے۔ اور جب قاضی شریعت کو ان کی پختہ کاری کا یقین ہو جائے تو وہ فیصلہ کا حق بھی ان کو دیں۔

مذکورہ بالا لائحہ عمل کے پیش نظر ۱۶ اگست سے ۱۲ اگست تک اور ۳۰ اگست سے ۱۴ ستمبر ۵۵ء پنجشنبہ تک خانقاہ رحمانی مونگیر میں مقدمات کی تاریخیں رکھی گئی ہیں اور ان کی سماعت کا نظم کیا گیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس دینی کام میں تعاون کریں، اور اپنا قیمتی وقت عنایت فرما کر مذکورہ بالا تاریخوں میں مونگیر تشریف لائیں، اور مقدمات کی سماعت اور ان کے فیصلوں کو بچشم خود دیکھیں اور پھر اگر کسی حلقہ میں قضاء کی ذمہ داری جناب کے سپرد کی جائے تو اس کو قبول فرمائیں۔"

اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے اڑتالیس علماء نے پورے ذوق وشوق کے ساتھ شرکت فرمائی۔ تربیتِ قضاء کا یہ انتظام "خانقاہِ رحمانی" مونگیر میں کیا گیا۔ تربیت کے دونوں ہفتوں میں خود حضرت امیرِ شریعت رابع مدظلہٗ نائب امیرِ شریعت ثانی حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ عون احمد صاحب مدظلہٗ (جو اُس وقت قاضی شریعت تھے) موجود رہے۔ لوگوں کو مقدمات کے فائل دکھائے گئے، بہت سے مقدمات کی کارروائی انہی تاریخوں میں رکھی گئی، تاکہ علماء اپنی آنکھوں سے کارروائی دیکھ کر

طریقۂ کار کو پوری طرح اخذ کر سکیں۔

ہفتہ تربیت کا افتتاح حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ نے اپنا ایک قیمتی مقالہ سنا کر کیا۔ جس میں اسلامی قانون کی اہمیت، انسانی معاشرہ میں شریعت محمدیہ کی ضرورت اور اس کے اجراء و نفاذ کے لئے دارالقضاء کا قیام اور قاضیوں کے تقرر کی حیثیت، یہ سب کچھ بتایا گیا ہے۔

ہفتہ تربیت میں مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری نے ایک مقالہ پڑھا جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ کسی دائر شدہ مقدمہ کی کارروائی شروع سے اخیر تک قاضی کو کس طرح سے انجام دینی چاہیئے۔ مقالہ میں مقدمہ کی تمام تفصیلات و ترتیب وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں، جسے ہر قاضی کو اپنے سامنے رکھنا ضروری ہے۔

تربیت ہی کے دوران حضرت نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک معیاری اور فکر انگیز مقالہ پڑھا جس میں خصوصیت کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ انقلابِ زمانہ اور تغیر احوال کی بناء پر جو نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، انھیں کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنے کا طریقہ کیا ہے اور تبدیلئ حالات کا اثر احکام و مسائل پر کیا پڑتا ہے۔

تربیت کے دوسرے ہفتہ میں حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ نے ایک اور مقالہ پڑھا، جو قضاء کی تاریخ پر قیمتی دستاویز ہے۔ تربیت کے دونوں ہفتوں کی تفصیلی کارروائی مذکورہ بالا مقالہ کے ساتھ "تربیتِ قضاء کے دو ہفتے" کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہے جس کا مطالعہ اہل علم کے لئے بے حد مفید ہے۔

صوبہ میں قاضیوں کا تقرر

امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم نے اپنے دورِ امارت میں جہاں امارت شرعیہ کے دوسرے شعبہ جات کو ترقی دی، وہیں دار القضاء پر خصوصی نظر رکھی اور جب قضاء کے تربیتی کیمپ سے علماء کی اچھی خاصی تعداد قضاء کی تربیت پاکر باہر آگئی، تو حضرت ممدوح نے مناسب مقامات پر دار القضاء قائم کیے، اور قضاۃ کا تقرر کیا، یہ تقرر بڑے اہتمام اور چھان بین کے بعد کیا جاتا ہے۔ پہلے اس علاقہ میں امارت شرعیہ کے مبلغین کا دورہ ہوتا ہے جو گاؤں گاؤں جاکر مسئلہ قضا کی اہمیت اور اس کی ضرورت لوگوں کو سمجھاتے اور بتاتے ہیں کہ دار القضاء سے کیا کام لینا ہے اور کس طرح کام لینا ہے۔ پھر اسی قسم کے خاص مضامین پر متعدد اشتہارات نکلتے ہیں جس سے قضائے کے سلسلہ کی تمام ضروری باتیں لوگوں پر واضح ہو جاتی ہیں، اس کے بعد علاقہ کے مرکزی مقامات پر عظیم الشان اجلاس منعقد ہوتے ہیں، جس میں علاقہ کے علماء و مشائخ اور ارباب حل و عقد خصوصیت کے ساتھ مدعو ہوتے اور شرکت کرتے ہیں اور ایک بڑے اجتماع میں دار القضاء کی ضرورت، قضاء کے مسائل اور دار القضاء سے کام لینے کا طریقہ بتایا جاتا ہے۔ پھر اسی مجمع عام میں قاضی کے تقرر کا اعلان ہوتا ہے اور قاضی کو "سندِ قضا" دی جاتی ہے۔

سندِ قضاء کی نقل درج ذیل ہے۔ سند میں قاضی کے نام اور حلقہ کار کی جگہ چھوڑ دی گئی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

"یقول العبد الضعیف منت اللہ الرحمانی امیر الشریعۃ

لولایۃ بہار واڑیسہ لما ظہر عندی صلاح الاخ مولانا .... وعدالتہ وکفایتہ لامور القضاء مع ما علمہ اللہ تعالیٰ من علم الاحکام والوقوف علی الحلال والحرام ولیتہ، ولایۃ القضاء بین المسلمین بھذا المنشور ونصبتہ فی ناحیۃ............

.... یسمع الدعویٰ وجواب المدعیٰ علیہ وشہادۃ الشہود ثم یتوسط بینہما بتراضیہما ویفصلہما فان صلح الامر فبہا والا فیرسل بکل ذلک الی قاضی الشریعۃ لیفصل بینہما واوصیہ ان یتأمل فی کل حادثۃ تأملا غافیًا ولایحامی شریفًا لشرفہ ولایظلم ضعیفا لضعفہ وامرتہ بطاعۃ اللہ تعالیٰ وتقواہ فی جمیع احوالہ سرًا وعلانیۃ وان یاتی باوامرہ وینتہی عن زواجرہ فہذا اعہدی الیہ واللہ الموفق۔"

افتتاحِ دارالقضاء کے تقریبًا سارے ہی اجتماعات میں بہ نفسِ نفیس حضرت امیر شریعت رابع مدظلہٗ نے شرکت فرمائی اور اپنے ہاتھوں سے سندِ قضاء عطا کی لیکن ایسا بھی ہوا کہ کہیں کسی معذوری کے تحت خود شریک نہ ہوسکے تو نائب امیرِ شریعت حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی علیہ الرحمۃ کو بھیجا اور انھوں نے افتتاحِ دارالقضاء کی کارروائی نیابتًا انجام دی۔

نیا بھوجپور ضلع شاہ آباد (آرہ) میں قاضی کا تقرر عظیم الشان اجتماع میں ہوا علاقہ کے عوام وخواص کے علاوہ علماء کرام بھی اچھی تعداد میں شریک تھے۔ اس اجتماع میں مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن ؒ ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور جناب مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہاں پوری نے بھی شرکت فرمائی۔

تقریر مجاہد ملت حضرت مجاہد ملت ؒ نے امارت شرعیہ اور دارالقضاء کی خدمات پر روشنی ڈالی اور فرمایا:۔

"آج کی دنیا میں شدید ضرورت ہے کہ مسلمان اپنی زندگی کے تمام تر مسائل قرآن وسنت کی روشنی میں ڈھونڈیں اور مسلمان اپنے اوپر اسلامی قوانین نافذ وجاری کریں۔ نکاح وطلاق، فسخ وخلع اور دیگر باہمی معاملات اپنی قائم کردہ امارت اور دارالقضاء کے فیصلے سے حل کریں۔ چنانچہ آپ کی سہولت کے لیے بکسر سب ڈویژن میں حضرت مولانا مفتی شمس تبریز صاحب قاضی مقرر کیے گئے ہیں۔ ان سے اپنے معاملات طے کرائیں۔

ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لیے جمعیۃ علماء ہند کے سامنے اول یوم سے جو سب سے اہم ترین کام ہے وہ مسلمانوں کی اسلامی تنظیم اور نظام شرعی کا قیام ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ۱۹۲۱ء کے اندر امارت شرعیہ قائم ہوگئی اور بحمداللہ حسب قواعد شرعیہ باضابطہ امیر الشریعۃ کا انتخاب ہوتا رہا۔ پھر صوبہ کے مسلمانوں نے اسکیم کو قبول کرتے ہوئے عمل کیا۔

امارت شرعیہ کے ذریعہ جس قدر قومی و مذہبی خدمات انجام پذیر ہوئی ہیں وہ امارت کی رپورٹ اور اخبارات سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ غالباً ہندوستان کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس کی مذہبی و ملی خدمات سے ناواقف ہو۔

اس حقیقت کا اظہار کرنا بہت ضروری ہے کہ ہندوستان میں قیام امارت اور نظام شرعی کی ضرورت اور اہمیت اس وقت محسوس ہونے لگی تھی جبکہ اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقت میں قیام امارت کے وجوب کا فتویٰ دیدیا تھا۔ چنانچہ اس فتوی پر سب سے پہلے اس وقت عمل کیا گیا جبکہ سید احمد بریلوی رح کو امام و امیر منتخب کیا گیا۔ پھر ۵۷ء میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح کو امام و امیر منتخب کیا گیا لیکن اس انقلاب عظیم کے بعد حالات ناسازگار ہو گئے۔ علماء دین بکثرت تباہ کر دیئے گئے۔ زبان و قلم پر جبروتی مہریں لگا دی گئیں۔ مگر ہمارے اکابر کے دل و دماغ اس تخیل سے کبھی بھی غافل نہ رہے۔ حالات کے سازگار ہوتے ہی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب قدس اللہ سرہ نے اپنی پرخلوص ہمت و جذبہ کے تحت اس میں وسعت بخشنے کی ہمہ دم سعی کی اور بحمد اللہ آج بھی قائم ہے اور امارت اس دارالقضاء کو بحسن و

خوبی چلا رہی ہے۔ ملک کے تمام مسلمان باشندوں کو اس سے عبرت لینی چاہیئے۔

دعاء ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ اس میں ترقی بخشے۔ آمین

(نقیب ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۹ء ۲۰ر جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ)

تقریروں کے بعد حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رح نائب امیر شریعت ثانی نے اعلان فرمایا کہ طبیعت کی ناسازی کے باعث حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم تشریف نہیں لا سکے ان کی طرف سے میں یہ سند قضاء جناب مولانا محمد شمس تبریز صاحب کو دے رہا ہوں۔ پھر آپ نے سندِ قضاء پڑھ کر سنائی جو عربی میں تھی اور حضرت مولانا ابوالوفا صاحب مدظلہٗ نے اردو میں اس کا سلیس و شگفتہ ترجمہ فرمایا۔ پھر مولانا قاضی شمس تبریز صاحب نے اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اظہار کرتے ہوئے قضاء کے منصب کو قبول کیا اور مجمع سے دعاء کی درخواست کی۔ اس کے بعد جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب قادری مدظلہٗ نے (جو اس وقت قاضی شریعت تھے) مسئلہ قضاء پر جامع تقریر فرمائی۔

قاضی کے تقرر میں علماء کا انتخاب

قضاء کے لیئے باصلاحیت، معاملہ فہم اور خدا ترس عالم دین کی ضرورت ہوتی ہے، انتخاب میں معمولی سی غلطی بھی بڑے سے بڑے مفاسد پیدا کر سکتی ہے۔ اس لیئے قاضی کا تقرر کرتے وقت امارت شرعیہ بہار اپنی ذمہ داریوں کا پورا لحاظ رکھتی ہے۔ اور جو اچھے

سے اچھا عالم مل سکتا ہے اسے منصب قضا کے لئے منتخب کرتی ہے، اور اس عہدہ جلیلہ پر فائز کرتی ہے۔

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں زوال وانحطاط آچکا ہے پہلے زمانہ سے آج کل کے قاضیوں کا تقابل کسی طرح مناسب نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ صاحب مدظلہٗ نے ۲۶ر جنوری ۱۹۶۰ء مطابق رجب ۱۳۷۹ھ کو دملہ ضلع دربھنگہ میں دار القضاء کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔

"قانون کو انسانوں کی زندگی میں نافذ کرنے والی مشینری قضاء ہے۔ اس سے محسوس کریں کہ قضا کا شعبہ مسلمانوں کی زندگی کے لئے کتنا اہم ہے۔ لوگوں کے ذہن میں قاضی کے تقرر کے وقت خیر القرون کے قاضیوں کے نام آتے ہیں، اور وہ سوچتے ہیں کہ اب سیدنا علیؓ کہاں سے میسر آئیں گے، جن کے متعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "اقضاھم علیؓ"۔ ان کی نگاہیں قاضی شریح اور قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کو تلاش کرتی ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قضا کی جو اہمیت آپ کے سامنے بیان کی جاچکی ہے، اس کے پیش نظر کیا اس اہم کام کو صرف اس لئے چھوڑ دیا جائے کہ خیر القرون جیسے آدمی ہم کو نہیں ملتے۔

بے شک اس طرح کے باکمال نہ اس وقت موجود ہیں، اور نہ اب قیامت تک ملیں گے، لیکن اس مجبوری کی وجہ سے قضاء کے

فریضۂ محکمہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دورِ انحطاط کا ہے۔ اس زمانہ میں سیدنا ابو بکرؓ اور سیدنا عمرؓ کی تلاش میں انسان کو کامیابی نہیں ہو سکتی، بلکہ سچ پوچھیے تو اس دور میں قرونِ اولیٰ کے لوگوں کی تلاش کرنا درا صل عمل سے گریز کا خوب صورت بہانہ ہے۔

میں ایسے لوگوں سے کہتا ہوں کہ اگر مسلمان حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ جیسے بن جائیں تو یقیناً انھیں حضرت علیؓ اور قاضی شریحؒ بھی مل جائیں گے۔

مجھے اس پر پورا اطمینان ہے کہ جن حضرات کو مختلف مقامات پر قاضی مقرر کیا جا رہا ہے وہ آپ کے صوبہ میں علم و عمل اور صلاح و تقویٰ کا خلاصہ ہیں، اور انھیں کے دم سے علم کی بہار اور دین کی روشنی قائم ہے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان جیسے لوگ تو مل سکتے ہیں، لیکن ان سے بہتر قاضی کا ملنا مشکل ہے اور پھر انھیں قضا کی تربیت دے کر انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی انتہائی احتیاط برتی جا رہی ہے، چنانچہ نئے مقرر ہونے والے قاضیوں کو ابتدا میں فیصلہ کا اختیار نہیں دیتا ہوں، صرف مقدمہ کی سماعت اور رپورٹ کا حق دیتا ہوں۔"

(نقیب ۳ فروری ۱۹۶۰ء مطابق ۵ شعبان ۱۳۷۹ھ)

قضاۃ اور دارالقضاء کا تعارف مرکزی دارالقضاء امارت شرعیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ کے پہلے قاضی شریعت حضرت مولانا سید شاہ نور الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ

تھے۔ آپ نے کم و بیش چھتیس سال تک قضاء کی مثالی خدمت انجام دی ہے۔

مرکزی دارالقضاء کے دوسرے قاضی شریعت جناب مولانا شاہ عون احمد صاحب مدظلہ ہوئے جو کئی سالوں تک اس منصب پر فائز رہے۔ آپ کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

تیسرے قاضی شریعت جناب مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی ہیں۔ یہ ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ حق تعالیٰ نے اچھی صلاحیتوں کا مالک بنایا ہے، اور علم کے ساتھ ذکاوت سے بھی نوازا ہے۔ آپ بیک وقت اچھے مدرس، اچھے مقرر، کامیاب قاضی اور بہتر لکھنے والے ہیں۔ فراغت کے بعد ہی آپ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر آگئے تھے، وہاں سات آٹھ سالوں تک درس و تدریس میں مشغول رہے۔

۱۳۸۱ھ ۱۹۶۲ء میں امیر شریعت رابع مدظلہ نے مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی کو جامعہ رحمانی سے امارت شرعیہ بھیجدیا۔ اس وقت سے آج تک آپ مرکزی دارالقضاء کے قاضی شریعت ہیں، اور امارت شرعیہ کے رکن رکین اور امیر شریعت مدظلہ کے مشیر خصوصی ہیں۔

مرکزی دارالقضاء میں سر دفتر کی حیثیت سے ایک اہم شخصیت حاجی محمد شفیع پھلواروی کی ہے۔ آپ حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کے تربیت یافتہ اور ابتداء سے امارت کی تحریک میں شریک ہیں۔ اور بجا طور پر آپ کو "تاریخ امارت" کہا جاسکتا ہے۔ آپ نے باضابطہ عربی علوم کی تحصیل تو نہیں کی، لیکن مسئلہ قضاء پر اتنا عبور ہے کہ مسئلہ کا کوئی پہلو آپ کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہوتا۔ آپنے

قضاء کی تربیت حضرت مولانا قاضی نورالحسن صاحبؒ سے حاصل کی۔ آپ کو تحریک آزادی سے دلچسپی تھی جب امارت شرعیہ کا قیام عمل میں آیا۔ تو امارت ہی کے پلیٹ فارم سے آپ نے قومی وملکی خدمات انجام دیں اور اسی دور میں آپ دفترِ دارالقضاء سے منسلک ہوئے۔ اور آج تک دارالقضاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

مرکزی دارالقضاء کے علاوہ اس وقت حسب ذیل مقامات پر ذیلی دارالقضاء قائم ہیں اور حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب دامت برکاتہم نے ان میں سے ہر دارالقضاء کے لیے علیٰحدہ قاضی مقرر فرما رکھا ہے جو اپنے مفوضہ کاموں کو محنت اور خلوص سے انجام دے رہے ہیں۔

(۱) دارالقضاء سوپول برائے تھانہ بیرول، بہیڑہ، جھنجھار پور، مدھے پور، سنگھیا رسڑا، ضلع دربھنگہ و تھانہ دھرھرا، ضلع سہرسہ، اس کا قیام ۱۰ر شوال ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹ر اپریل ۱۹۵۹ء کو عمل میں آیا۔

سوپول کا دارالقضاء ضلع دربھنگہ کے چھ تھانوں اور ضلع سہرسہ کے ایک تھانہ پر مشتمل ہے۔ اور یہی اس کے حدود قضاء ہیں۔ ضلع سہرسہ اور ضلع دربھنگہ کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں۔ اور ضلع سہرسہ کا تھانہ دھرھرا، سوپول سے قریب ہے۔ اور یہاں کے لوگوں کو سوپول ہی پہونچنے میں سہولت ہے۔ ان دو ضلعوں کے تھانوں کو ملا کر دارالقضاء سوپول کے حدود متعین کیئے گئے ہیں۔

دارالقضاء سوپول کے قاضی شریعت مشہور و ممتاز عالم دین حضرت مولانا الحاج محمد عثمان صاحب مدظلہ ہیں، آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور فخرالمحدثین

حضرت العلامہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں ہیں، علم و عمل، زہد و تقویٰ، سادگی اور کسر نفسی میں اکابر کی یادگار اور سلف کا نمونہ ہیں مدرسہ رحمانیہ سوپول ضلع دربھنگہ کے شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں اور چالیس سال سے درسِ حدیث میں مشغول ہیں، ادھر دس بارہ سال سے صرف بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس دے رہے ہیں۔ آپ شروع ہی سے امارت شرعیہ کے حامی اور معاون ہیں، اور لمبے عرصہ سے امارت شرعیہ کے رکن رکین اور اس کے کاموں کو آگے بڑھانے والے ہیں۔ آپ بتیس سال سے حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب مدظلہ کے رفیق اور معتمد خاص ہیں،

حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدظلہ کو سماعت کے ساتھ مقدمات کے فیصلہ کا اختیار حاصل ہے۔ حضرت ممدوح کے کثرت مشاغل اور پیرانہ سالی کے پیش نظر جناب مولانا محمد قائم صاحب مظفرپوری قضاء کے کاموں میں تعاون کرتے ہیں اس طرح دارالقضاء سوپول کا کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پا رہا ہے اور ایک قاضی کی تربیت بھی ہو رہی ہے۔

(۲) صوبہ بہار و اڑیسہ میں مسلمانوں کی آبادی کا سب سے بڑا ضلع پورنیہ ہے اس ضلع میں مجموعی طور پر مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ۴۳ فی صد ہے، اور اس ضلع کے "کشن گنج" سب ڈویزن میں مسلمانوں کی آبادی ستر فی صد ہے، ضرورت تھی کہ مسلمانوں کی اس بڑی اور گھنی آبادی میں ایک دارالقضاء قائم کیا جائے۔ چنانچہ ۲۰ر نومبر ۱۹۵۹ء مطابق ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ کو کشن گنج میں دارالقضاء قائم کیا گیا۔ افتتاح دارالقضاء کے موقع پر جو اجتماع منعقد ہوا

اس میں ۷۴ علماء کرام، سیکڑوں ارباب حل وعقد اور تقریباً بیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی۔ حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ نے مجمع کو خطاب فرمایا۔ اور جناب مولانا محمد مصلح صاحب مدظلہ کو کشن گنج سب ڈویژن کے لیے قاضی شریعت مقرر کیے جانے کا اعلان فرمایا اور "سندِ قضاء" دی

جناب مولانا قاضی محمد مصلح صاحب حالاتِ زمانہ سے باخبر علماء دین میں سے ہیں، علوم دینیہ پر اچھی نظر اور فقہی کتابوں پر خصوصی نگاہ رکھتے ہیں۔ مسائل کی تحقیق وتفتیش آپ کا محبوب مشغلہ ہے اور پیش آمدہ معاملات کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

(۳) ۳ر جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۴ر دسمبر ۱۹۵۹ء میں ضلع گیا کے ایک سب ڈویژن اورنگ آباد کے لیے وہیں دار القضاء قائم ہوا۔ اور جناب مولانا سید عبد الرؤف صاحب کو قاضی شریعت مقرر کیا گیا۔ آپ روشن خیال عالمِ دین ہیں۔ دینی اور تاریخی مسائل کی تحقیق وتفتیش سے آپ کو خاص شغف ہے۔ آپ کے مضامین مختلف علمی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

(۴) ۶ر جمادی الثانیہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۷ر دسمبر ۱۹۵۹ء میں بکسر سب ڈویژن (ضلع آرہ) کے لیے نیا بھوجپور میں دار القضاء قائم ہوا اور جناب مولانا شمس تبریز صاحب قاضی مقرر کیے گئے۔ دار القضاء نیا بھوجپور کے افتتاح میں حضرت امیر شریعت مدظلہ علالت کے باعث شریک نہ ہو سکے۔ حضرت نائب امیر شریعت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رحؒ نے نیابۃً تقرر قاضی کا اعلان کیا اور سندِ قضاء مرحمت فرمائی۔

صد افسوس کہ جناب مولانا شمس تبریز صاحبؒ کا وصال ہو گیا۔ اور اس وقت نیا بھوجپور کی مسندِ قضا خالی ہے۔

(۵) دار القضاء بارا عید گاہ پورنیہ، برائے اررریہ سب ڈویژن و صدر سب ڈویژن ۱۱؍ جنوری ۱۹۶۰ء مطابق ۱۱؍ رجب ۱۳۷۹ھ کو قائم ہوا۔ اس دار القضاء کے قاضی شریعت جناب مولانا قاضی ریاض احمد صاحب مدظلہ ہیں آپ جید علماء میں سے ہیں۔ دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ ایک کامیاب مدرس بھی ہیں۔ مدرسہ تنظیمیہ بارا عید گاہ کے شعبہ تدریس میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ قضاء کے کاموں کو بھی بصیرت، دانشمندی اور پوری دیانتداری کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ کی طرف سے آپ کو مقدمات کی سماعت اور فیصلہ دونوں ہی کا اختیار حاصل ہے، الحمدللہ آپ قضا کی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جب مرکزی دار القضاء میں کاموں کا ہجوم ہوتا ہے تو آپ کو تکلیف دی جاتی ہے اور آپ کبھی کبھی مرکزی دار القضاء آ کر وہاں کے کاموں کو بھی انجام دیتے ہیں۔

(۶) ۲۶؍ رجب ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۶؍ جنوری ۱۹۶۰ء میں دربھنگہ صدر سب ڈویژن کے لیے مدرسہ محمود العلوم دملہ میں دار القضاء قائم کیا گیا، اور حضرت مولانا محمود احمد صاحب مدظلہ کو قاضی شریعت مقرر کیا گیا۔

جناب مولانا محمود احمد صاحب مدظلہ دملہ سے منتقل ہو کر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تشریف لے آئے اور آپ کے ساتھ دفتر دار القضاء بھی مدرسہ امدادیہ میں منتقل ہو گیا۔ مولانا موصوف امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے جید تلامذہ میں ہیں۔

(۷) شوال ۱۳۸۱ھ مطابق مارچ ۱۹۶۲ء میں ضلع چمپارن کے بتیا سب ڈویژن کے لیے ڈمرا میں دار القضاء کا قیام عمل میں آیا، اور جناب مولانا محمد حسین صاحب مدظلہ، قاضی شریعت مقرر ہوئے۔ مولانا موصوف جیّد علماء میں ہیں حضرت مولانا سجادؒ کے تربیت یافتہ ہیں۔ درس و تدریس کا بھی مشغلہ ہے۔ حضرت امیر شریعت مدظلہ نے آپ کو مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا ہے، وہاں سے مقدمہ کی مسل مرتّب ہو کر مرکزی دار القضاء چلی آتی ہے اور فیصلہ مرکز ہی سے ہوتا ہے۔

(۸) ۲۰ر شوال ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۷ر مارچ ۱۹۶۲ء میں ضلع ہزاری باغ ویلاموں کے لیے چترا میں دار القضاء قائم ہوا اور حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ کو قاضی شریعت مقرر کیا گیا۔ آپ مشہور عالمِ دین اور حضرت مولانا عبد الرشید صاحب رانی ساگریؒ کے خلیفہ و مجاز ہیں۔

(۹) ۳۰ر ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۸ر مئی ۱۹۶۲ء میں بھبھوا سب ڈویژن (ضلع آرہ) کے لیے "دکو امتھؤں" میں دار القضاء کا قیام عمل میں آیا۔ اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مدظلہ، قاضی شریعت مقرر ہوئے۔ آپ جیّد عالم دین، کامیاب مدرس اور صاحب زہد و تقویٰ بزرگ ہیں۔ اپنے اوقات کے پابند اور نمونۂ سلف ہیں اور قضاء کے فرائض کو پوری توجہ سے انجام دے رہے ہیں۔ آپ کو ابھی صرف مقدمات کی سماعت کی اجازت ہے۔

(۱۰) ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲ر مئی ۱۹۶۳ء میں ضلع رانچی کے لیے شہر رانچی میں دار القضاء قائم ہوا اور حضرت مولانا حفیظ الحسن صاحب مدظلہ سابق

مبلّغ امارت شرعیہ کو قاضی شریعت مقرر کیا گیا اور صرف مقدمہ کی سماعت کے اختیارات دیئے گئے۔

(۱۱) کٹیہار (ضلع پورنیہ) کا علاقہ بھی پہلے دار القضاء بارا عیدگاہ کے حلقہ میں شامل تھا لیکن مقدمات کی کثرت اور لوگوں کی سہولت کے پیش نظر مورخہ ۲۸ر صفر ۱۳۸۶ھ مطابق ۸ر جون ۱۹۶۶ء میں اس سب ڈویژن کے لئے کٹھیار میں مستقل دار القضاء قائم کیا گیا۔ افتتاحی اجلاس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے بھی شرکت فرمائی اور اپنے ملفوظات سے نوازا۔ قضاء کی اہمیت اور اس کی شرعی حیثیت پر نہایت جامع تقریر فرمائی اور امارت شرعیہ کو جگہ جگہ دار القضاء کے قیام پر مبارکباد دی۔

کٹھیار کے قاضی شریعت جناب مولانا محمد قاسم صاحب قابل قدر عالم دین ہیں۔ کتب متداولہ پر اچھی نگاہ ہے اور فن فقہ سے خاص تعلق رکھتے ہیں۔ ابھی آپ کو صرف سماعت کا اختیار حاصل ہے۔

(۱۲) سیتامڑھی (ضلع مظفر پور) میں ۱۷ر ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ر جون ۱۹۶۶ء میں دار القضاء قائم ہوا، اور جناب مولانا ہارون الرشید صاحب کو سیتامڑھی سب ڈویژن کے لیے قاضی شریعت مقرر کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مولانا ممدوح نے سیتامڑھی کا قیام ترک کر دیا۔ وہاں کی جگہ اس وقت خالی ہے۔

(۱۳) حضرت مولانا قاضی ریاض احمد صاحب کے حدود قضا بہت پھیلے ہوئے ہیں اور اس کی سرحدیں نیپال تک وسیع ہیں۔ نیپال کے مقدمات بھی

دارالقضاء بارا عیدگاہ میں دائر ہوکر فیصل ہوتے ہیں۔ بعض دور دراز علاقوں سے بارا عیدگاہ کی آمدورفت بھی دشوار ہے۔ اس لیئے ضرورت محسوس ہوئی کہ نیپال کے سرحدی علاقوں سے قریب کسی مقام پر مقدمات کے دائر ہونے اوراس کی سماعت کا نظم کیا جائے۔ چنانچہ ۱۳۹۰ھ میں ڈوبا ضلع پورنیہ میں دارالقضاء قائم کیا گیا۔ اس کا افتتاح بھی حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ نے فرمایا اور ایک جوان سال عالم دین مولانا عبدالوہاب صاحب قاسمی کو دارالقضاء ڈوبا کے لیئے قاضی شریعت مقرر کیا گیا، اور انھیں مقدمات دائر کرنے اوراس کی سماعت کا اختیار دے کر حضرت امیر شریعت نے یہ حکم دیا کہ یہاں کی مسلیں فیصلہ کے لیئے حضرت مولانا ریاض احمد صاحب قاضی شریعت دارالقضاء بارا عیدگاہ کے پاس جایا کریں اور مقدمات کے فیصلے دارالقضاء بارا عیدگاہ ہی سے ہو۔ تاکہ دور دراز کے لوگوں اور نیپال کے رہنے والوں کو مقدمات کے دائر کرنے اوراس کی پیروی میں زیادہ دقت بھی نہ ہو اور دارالقضاء بارا عیدگاہ کی مرکزیت بھی مجروح نہ ہونے پائے۔

(۱۴) مظفرپور صدر سب ڈویژن کے لیئے مدرسہ جامع العلوم مظفرپور میں دارالقضاء قائم ہوا اور جناب مولانا محی الدین صاحب قاضی شریعت مقرر کیئے گئے۔ ایک عرصہ کے بعد مولانا موصوف مدرسہ امدادیہ دربھنگہ چلے گئے اور مولانا قاضی محمود احمد صاحب مدظلہٗ جامع العلوم چلے آئے۔ اس وقت سے مظفرپور سب ڈویژن کے دارالقضاء میں قاضی کے منصب پر مولانا محمود احمد صاحب فائز ہیں اور قضاء کے کاموں کو انجام دے رہے ہیں۔ آپ کو صرف

سماعت کا اختیار حاصل ہے۔

مقدمات کے لیے معلومات کی فراہمی

دارالقضاء کے نظام کو وسیع کرنے کے ساتھ ساتھ مقدمہ کی کارروائی کے لیے معلومات کی فراہمی کا بندوبست کیا گیا کہ لوگوں کو مقدمہ دائر کرنے میں اور قاضیوں کو مقدمات کی سماعت اور اس کے فیصلہ میں سہولت ہو۔ اور اسلامی وفقہی طریقۂ کار ان کے سامنے رہے۔

ابتدائی زمانہ میں امارت شرعیہ کی طرف سے "رہنمائے دارالقضاء" کے نام سے ایک مختصر رسالہ طبع کرایا گیا تھا، جس میں بتلایا گیا تھا کہ مقدمات کس طرح دائر کیے جائیں، دعویٰ کا مضمون اور اس کی ترتیب کیا ہو؟ پھر دارالقضاء سے کارروائی کس طرح عمل میں آئے گی؟ مدعی ومدعا علیہ کا فریضہ کیا ہے؟ اور انھیں مقدمات کی پیروی کس طرح کرنی چاہیئے؟

دارالقضاء کے نظام کی توسیع کے بعد حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ کے ایماء سے موجودہ قاضی شریعت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی نے رسالہ "رہنمائے دارالقضاء" پر نظر ثانی کی، اور بہت سے اہم عنوانات ومضامین کا اضافہ کرکے رسالہ کو جامع اور مفید تر بنا دیا۔ ترمیم شدہ رسالہ کے عنوانات درج ذیل ہیں:۔

(۱) درخواست دائر کرنے کا طریقہ (۲) مدعا علیہ کے یاد رکھنے کی باتیں۔

(۳) میاں بیوی کے درمیان علحدگی کی درخواستیں (۴) علحدگی کی تین شرعی صورتیں (الف) خلع اور اس کی ضروری تشریح (ب) تفریق اور اس کی تفصیل (ج) طلاق۔

مذکورہ بالا عنوانات کے سوا رسالہ میں حسب ذیل عنوانات بھی ہیں:۔

(۱) گواہی اور کاغذات ثبوت (۲) ضوابط مرافعہ (۳) حصول نقل کے ضابطے (۴) درخواست کے نمونے۔ آخری عنوان کے تحت تفریق کی تمام صورتوں کی درخواست کا الگ الگ نمونہ دیا گیا ہے۔ مثلاً نمونہ درخواست مفقود الخبر۔ نمونہ درخواست فسخ نکاح۔ نمونہ درخواست خیار بلوغ۔ نمونہ درخواست زوج مجنون۔ نمونہ درخواست خلع وغیرہ۔

اس کے علاوہ فسخ و تفریق کے مسائل پر حضرت نائب امیر شریعت مولانا عبدالصمد رحمانی رحؒ نے ایک رسالہ "کتاب الفسخ والتفریق" کے نام سے لکھا، اور دارالاشاعت امارت شرعیہ کی طرف سے طبع ہو کر شائع ہوا۔ جو اپنی افادیت کے پیش نظر نہایت اہم اور قیمتی ہے۔ رسالہ کے اہم عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اسلامی معاشرہ میں قضاء کا مقام اور اس کے متعلق فقہی احکام۔ (۲) مسئلہ قضاء اور صوبۂ بہار (۳) فسخ و تفریق کیوں اور کب؟ (۴) فسخ و طلاق کا فرق۔ (۵) تفریق کی چودہ بنیادیں (۶) تفریق کے باب میں امارت شرعیہ کا مسلک۔

امارت شرعیہ کے "قضاۃ" کو مقدمات کی سماعت کے دوران نئے مسائل سے بھی سابقہ پڑتا رہتا ہے اور ان کے دریافت کرنے پر اس کا حل بھی لکھوا کر بھیجا جاتا ہے۔ ان جوابات کو "قضاء کے چند اہم مسائل نئے تقاضوں کی روشنی میں" کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔

غرض حضرت امیر شریعت مدظلہ نے ایک طرف قضاء کے نظام کو وسیع کیا۔ اور مرکزی دارالقضاء کے علاوہ چودہ مزید دارالقضاء قائم

کیئے۔ تو دوسری طرف ایسی معلومات کی فراہمی کا نظم بھی فرمایا جس سے مقدمہ دائر کرنے والوں کو اور قضاۃ کو سہولت ہو۔ اور پورا نظام "شریعتِ اسلامیہ" کی روشنی میں چل سکے۔

دار الافتاء

یہ شعبہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اہم رہا ہے کیونکہ مسلمانوں کو دینی مسائل جاننے اور ان پر عمل سے دلچسپی ہے۔ ان کے گھروں اور معاشرہ میں روزمرہ کی زندگی اور آپس کے لین دین اور معاملات میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شرعی جواب جاننے کے خواہشمند رہتے ہیں اور علماء سے پوچھتے ہیں۔ پھر موجودہ دور میں دین سے عام بے خبری اور بے تعلقی نے طرح طرح کے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ اس دور میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر اثر ڈالا ہے جس نے نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ عام سوالات کا جواب دینے کے لیئے صحیح مستحضر علم، کتبِ فقہ پر عبور، فتاویٰ کی کتابوں کا وسیع مطالعہ، اور جزئیات فقہ کا استحضار ضروری ہے۔ اور نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کی خاطر مذکورہ بالا امور کے علاوہ غیر معمولی تلاش و جستجو اور بیدار مغزی کی بھی ضرورت ہے۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جواب دینے والا نئے دور کے تقاضوں اور ان اثرات سے بھی واقف ہو جو عصر جدید نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی

زندگی پر ڈالے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر عالم پر اس کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔ نہ ہر شخص کو فقہ اسلامی سے ذوق ہوتا ہے، نہ اس پر عبور۔ نہ ہر ایک کے پاس کتابوں کا ذخیرہ ہے اور نہ ایسا ماحول ہے کہ وہ کتابوں میں مشغول رہے۔ اور انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے بدلتے ہوئے حالات کا مطالعہ کرتا رہے۔

اس لیے ہر زمانہ میں ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے کہ کچھ علماء اس اہم کام کے لیے تیار کیے جائیں تاکہ وہ اپنی دینی و علمی بصیرت، فقہی سوجھ بوجھ اور کتاب وسنت پر گہری نظر اور وسیع مطالعہ کی روشنی میں اُن سوالات کا صحیح اور بروقت جواب دے سکیں، جو ان کے پاس بھیجے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ شعبہ مسلم حکومتوں کے ہر دور میں پوری اہمیت کے ساتھ موجود رہا۔ قیام امارت کے بعد یہ شعبہ بھی اپنی پوری اہمیت کے ساتھ قائم ہوا اور امارت کے ہر دور میں اس شعبہ پر پوری توجہ رکھی گئی۔ اور ہر زمانہ میں اس شعبہ کی ذمہ داری لائق ترین شخصیتوں کے حوالہ رہی جس نے دارالافتاء امارت شرعیہ کی ساکھ کو بے حد مضبوط کر دیا۔ نتیجہ کے طور پر صوبہ و بیرون صوبہ سے ہزاروں سوالات آتے ہیں جن کے جوابات یہاں سے بھیجے جاتے ہیں۔ دستی سوالات کا سلسلہ بھی ہمیشہ رہتا ہے۔ لوگ کسی مسئلہ کی مقامی یا وقتی اہمیت کے پیش نظر سوال ڈاک سے بھیجنے کے بجائے خود لے کر چلے آتے ہیں اور جواب لے کر جاتے ہیں۔ اور اس مقصد کی خاطر بعض دفعہ افراد ہی نہیں بلکہ جماعتیں آتی ہیں۔ غیر مسلم بھی بعض دفعہ آکر اسلامی مسائل کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتے

ہیں۔ اور کبھی یہی چیز ان کے لیئے ہدایت کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔

اہم سوالات کے جوابات لکھنے کا فریضہ بسا اوقات حضرت امیر شریعت مدظلہ کو بھی انجام دینا پڑتا ہے۔ اور ضرورت کے موقعہ پر حضرت نائب امیر شریعت بھی جوابات لکھتے ہیں۔

امارت شرعیہ کے دار الافتاء پر اعتماد کے نتیجے میں صرف ملک ہی نہیں بیرونِ ملک سے بھی سوالات آتے ہیں۔ اب تک تین لاکھ سے زائد استفتاؤں کے جوابات یہاں سے دیئے جا چکے ہیں۔ اس وقت ہر ماہ تقریباً ایک ہزار سوالوں کے جوابات کا اوسط ہے۔ اس کی کوئی فیس نہیں لی جاتی۔

مفتیانِ کرام امارت شرعیہ میں افتاء کی خدمت ایک عرصہ تک حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی رحؒ نے انجام دی۔ جن کے حالات اوپر گذر چکے ہیں۔ پھر دار الافتاء حضرت مولانا عباسؒ[1] صاحب پھلواروی رحؒ کے سپرد رہا۔ جنھیں مسائل فقہیہ اور جزئیاتِ فقہ پر بڑا عبور تھا۔ ایک عرصہ تک فتویٰ نویسی کی خدمت حضرت مولانا شاہ محمد عثمان غنی صاحب مدظلہٗ نے بھی انجام دی ہے۔ جو مشاہیر علماء ہند میں ہیں۔ کچھ عرصہ تک یہ خدمت مولانا شاہ عماد الدین صاحبؒ (صاحبزادہ حضرت امیر شریعت ثالثؒ) نے بھی انجام دی ہے

ــــــــــــــــــــ

[1] مولانا ابو الفضل محمد عباس صاحب رحؒ مشہور عالم دین، کامیاب مدرس اور صاحب نظر فقیہہ تھے۔ فراغت کے بعد درس وتدریس کی خدمت میں منہمک تھے۔ پھر دار الافتاء امارت شرعیہ سے وابستہ ہوگئے۔ اور پوری زندگی بحیثیت مفتی اسی خدمت میں گذار دی۔ ۱۳۰۷ھ میں ولادت ہوئی اور ۱۷ محرم ۱۳۶۲ھ کو انتقال ہوا۔

۱۹۵۷ء مطابق ۱۳۷۶ھ کے بعد امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ نے دارالافتاء کو براہِ راست اپنی نگرانی میں رکھنے اور دوسری مختلف سہولتوں کے پیش نظر مونگیر منتقل فرمادیا جس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مفتی حضرات کو کتب خانہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر سے استفادہ کا موقعہ ملتا رہا۔ یہ عظیم کتب خانہ پندرہ ہزار قیمتی کتابوں پر مشتمل ہے اور بہت ہی بافیض ہے جہاں عربی، فارسی اور اردو زبان میں ہر فن کی ضروری اور قابل ذکر کتابیں اچھی حالت میں موجود ہیں۔ استفادہ کرنے والوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ خاکسار کو اس کی فیض رسانی کا تجربہ ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کے جید اساتذہ کا پورا تعاون بھی حاصل رہتا ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے مسائل بھی آتے رہتے ہیں جن میں ذاتی علم و واقفیت کے ساتھ جواب لکھنے سے پہلے دوسرے اصحاب علم و فن سے بھی مشورہ ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ دارالافتاء کے مونگیر منتقل ہوجانے کے بعد سے ایسے مسائل کے لیے طریقہ یہ رہا ہے کہ الجھے ہوئے مسائل میں جناب مفتی صاحب پہلے بطورِ خود کتب خانہ رحمانیہ کو کھنگالتے ہیں، پھر جامعہ رحمانی کے مدرسین کے سامنے ان مسائل کو رکھتے ہیں اور باہم مذاکرہ کے بعد جوابات طے پاتی ہے۔ وہی جواب کی شکل میں مستفتی کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

کبھی کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ سوالات کی کثرت ہوجاتی ہے۔ افتاء کی ڈاک کا نمٹانا مفتی صاحب کے لیے مشکل ہوجاتا ہے، چنانچہ ایسے وقت سوالات حضرات مدرسین جامعہ رحمانی کے درمیان تقسیم کردیئے جاتے ہیں۔ اور یہ حضرات جوابات لکھ کر دارالافتاء کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مولانا اکرام علی صاحب. مولانا حسیب الرحمٰن صاحب اور مولانا صغیر احمد صاحب زید مجدہم کا نام لیا جاسکتا ہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء

دارالافتاء کے مونگیر منتقل ہو جانے کے بعد حضرت امیر شریعت مدظلہٗ نے مولانا محمد یحییٰ صاحب قاسمی کو مفتی کے منصب پر فائز فرمایا۔ جناب مفتی صاحب ممدوح دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور جزئیات پر اچھی نظر رکھتے ہیں۔ گیارہ سال مسلسل آپ نے یہ خدمت انجام دی۔

اب ۱۹۶۷ء سے اس منصب افتاء پر مولانا مفتی محمد صدر عالم صاحب قاسمی زید مجدہٗ فائز ہیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ اکزامینیشن بورڈ بہار کے فاضل ہیں۔ افتاء کی تربیت حاصل کر چکے ہیں اور انگریزی زبان سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ذکاوت اور قوتِ حافظہ دونوں سے نوازا ہے۔ مناسخہ پر غیر معمولی عبور ہے۔ افتاء کے فرائض بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔ آپ نے متعدد نئے پیدا شدہ مسائل کا جواب بھی تحریر فرمایا ہے جسے اہلِ علم نے پسند کیا ہے۔

شعبۂ نظامت

امارت شرعیہ کے تمام شعبہ جات انتظامی اور دفتری معاملات میں شعبہ نظامت کے تحت ہیں اور اسی کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ لیکن قاضی شریعت اور مفتی امارت شرعیہ براہِ راست امیر شریعت کے سامنے جوابدہ ہیں۔ جس طرح خود ناظم امارت شرعیہ۔ لیکن دارالقضاء اور دارالافتاء کے انتظامی اور

دفتری معاملات ناظم امارت شرعیہ کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رحمۃ نائب امیر شریعت، حضرت مولانا شاہ محمد عثمان غنی صاحب مدظلہ۔ حضرت قاضی سید احمد حسینؒ ایم، بی اور موجودہ قاضی شریعت مولانا مجاہدالاسلام قاسمی مدظلہ یکے بعد دیگرے اس عہدۂ نظامت پر فائز رہ چکے ہیں۔ بلکہ خود حضرت امیر شریعت ثالث مولانا شاہ قمرالدین صاحبؒ نے بھی ایک زمانہ میں نظامت امارت شرعیہ کی خدمت انجام دی ہے۔

اس وقت اس عہدہ کی ذمہ داری حضرت الحاج مولانا نظام الدین صاحب مدظلہ کے سپرد ہے، ناظم صاحب ممدوح ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی (چمپارن) میں ایک عرصہ تک مدرس اول رہے، اپریل ۱۹۶۲ء میں امارت شرعیہ کی نظامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ صحیح فکر، جرأت اور اخلاص آپ کے نمایاں اوصاف ہیں۔ حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ کے دور مسعود میں امارت شرعیہ نے جو ہمہ جہت ترقی کی ہے۔ اس میں حضرت مولانا نظام الدین صاحب کے فکر و عمل اور جرأت و اخلاص کا بھی حصہ ہے۔

بیت المال اسلامی اصول و احکام کے پیش نظریہ شعبہ جتنا اہم اور ضروری ہے وہ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں اس شعبہ کے ذریعہ تمام صدقات واجبہ (عشر، زکوٰۃ، فطرہ وغیرہ) قومی محصول اور دیگر عطیات وصول ہوتے ہیں۔ اور پھر بیت المال ہی کے ذریعہ شرعی مصارف پر خرچ کیے جاتے ہیں۔ بیت المال

میں جو رقمیں داخل ہوتی ہیں وہ مدوار رجسٹر میں درج کی جاتی ہیں، اور آئین اسلامی کے مطابق خرچ کی جاتی ہیں۔ حساب وکتاب صاف وستھرا رہتا ہے۔ ہر مسلمان جب چاہے دیکھ سکتا ہے، اور ہر سال حساب وکتاب شائع بھی ہوتا ہے۔ آج کل اس شعبہ کے انچارج جناب سراج احمد صاحب ہیں، جو مخلص، باوضع اور حساب وکتاب کے ماہر ہیں۔ امارت شرعیہ کے طرز فکر و عمل سے آپ کو خاص مناسبت ہے۔ اس لیۓ فرائض منصبی کے علاوہ امارت کی دوسری سرگرمیوں سے بھی عملی دلچسپی لیتے ہیں۔

ایک ضروری مسئلہ سوال یہ ہے کہ جہاں امارت شرعیہ کا نظام قائم ہو وہاں عُشر وزکوٰۃ کی وصولی کا حق کس کو ہے؟ جواب یہ ہے کہ ایسی جگہ عُشر وزکوٰۃ لینے کا حق امارت شرعیہ کے سوا کسی اور کو نہیں، اور نہ دینے والے کے لیۓ روا ہے کہ وہ بطور خود خرچ کرے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سے نظام اسلامی کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:۔

ان هذا حق مالی	بلاشبہ یہ ایک مالی حق
یستوفیه الامام	ہے جسے امام ولایت شرعیہ
بولایة شرعیة فلا	کے تحت مکمل طور پر وصول
یملك من علیه اسقاط	کرے گا۔ لہٰذا اس کی
حقه فی الاستیفاء کمن	وصولی کا حق اس شخص کو نہیں
علیه الجزیة اذا صرف	ہوگا جس پر اس حق کی ادائیگی

بنفسہ الی المقاتلۃ۔ ضروری ہے

(مبسوط للسرخسی ص ۱۶۲ ج ۲) (مبسوط سرخسی صفحہ ۱۶۲ جلد ۲)

صوبہ بہار و اڑیسہ میں چونکہ امارت شرعیہ قائم ہے اور امیر شریعت موجود ہیں۔ اس لیے یہاں عشر و زکوٰۃ کا بیت المال امارت شرعیہ میں داخل ہونا ضروری ہے۔ زکوٰۃ دینے والے جس مستحق کو دینا چاہیں امارت شرعیہ کی اجازت سے دے سکتے ہیں تاکہ حساب و کتاب بیت المال کے رجسٹر میں درج رہے کسی اور کا اس شرعی نظام میں خلل انداز ہونا مذموم بلکہ ناجائز ہے۔

مفتی اعظم کا فتویٰ مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۲ء) تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس مقام میں امارت شرعیہ قائم ہو۔ اور اس کے ماتحت جمع و تقسیم صدقات کا کام باقاعدہ اور منظم طریقہ پر ہو رہا ہو، وہاں مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ امارت شرعیہ کے بیت المال میں ہی رقم جمع کریں۔ اس جگہ کوئی دوسری کمیٹی بنانا، قائم شدہ تنظیم کو خراب کرنے کے معنیٰ میں ہوگا۔ جو قطعاً ناجائز و مذموم ہے"

(کتاب العشر و الزکوٰۃ ص ۱۳۳)

صدر جمعیۃ علماء ہند کا سرکلر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ صدر جمعیۃ علماء ہند نے صوبہ بہار کی جمعیۃ کو سرکلر بھیجا اور لکھا:

"خصوصیت کے ساتھ صوبہ بہار کی جمعیتوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقومات کو حاصل کرنے کی کوشش

نہ کریں، بلکہ مسلمانوں کو سمجھائیں کہ وہ زکوٰۃ وصدقات کی رقوم حسب معمول امارت شرعیہ کے بیت المال میں جمع کریں۔"

(سرکلر جمعیۃ علماء ہند ۱۳۶۸ھ)

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے زکوٰۃ وعُشر کی وصولی کے لئے عاملین مقرر کر رکھے ہیں۔ ان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے زکوٰۃ وعُشر وغیرہ کی رقمیں لیں اور ان کو رسیدیں دیں۔ اور پھر ان رقموں کو بیت المال میں جمع کریں، ہر عامل کو اس کام کے لئے باضابطہ سند دی جاتی ہے جس کے ساتھ ضروری ہدایتیں بھی ہوتی ہیں۔ سند پر ناظم بیت المال کے دستخط اور امارت شرعیہ کی مہر ہوتی ہے۔

تمام امدادی رقمیں بیت المال میں

عُشر وزکوٰۃ وغیرہ (صدقاتِ واجبہ) کے علاوہ دوسری امدادی رقمیں بھی بیت المال میں جمع ہوتی ہیں۔ مثلاً امارتِ شرعیہ کے ماتحت بہت سے مکاتب و مدارس ہیں۔ ان کے معلمین و مدرسین کے وظائف، مسجدوں کی مرمت یا ان کی تعمیر سے متعلق آئی ہوئی رقمیں۔ فسادات کے سلسلہ میں امدادی عطیات، مقدمات کی نگرانی یا دوسرے مصیبت زدگان کی امدادی رقمیں، خود امارت شرعیہ کے مختلف شعبہ جات پر خرچ ہونے والے روپے، سب بیت المال میں جمع رہتے ہیں۔ اور یہیں سے اپنے مصارف میں خرچ ہوتے ہیں۔ اور تمام رقوم کی آمد و خرچ کا حساب بھی محفوظ رہتا ہے۔

بیت المال دراصل ایک اسلامی خزانہ ہے۔ جس میں مسلمانوں کی زکوٰۃ و صدقات اور عطیات وغیرہ کی رقوم جمع ہو کر اپنے صحیح مصارف اور اہم ملی کاموں

میں خرچ ہوتی ہیں۔ امارت شرعیہ کے تمام شعبے اور ان کے ذریعہ انجام پانے والی خدمات کے مصارف بیت المال ہی پورا کرتا ہے۔ تمام شعبوں کی کارکردگی کا زیادہ انحصار بیت المال کے استحکام پر ہے۔ یہاں سے فقراء و مساکین، بیوگان و یتامیٰ اور دوسرے محتاجوں کو غیر مستقل امداد اور ماہانہ وظیفے دیئے جاتے ہیں۔ مدرسوں اور مکتبوں کے اساتذہ کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ دینی تعلیم حاصل کرنے والے نادار طلبہ کے لئے وقتی اور ماہانہ وظائف جاری کیے جاتے ہیں۔ فسادات کے موقعہ پر مظلوموں اور مصیبت زدوں کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دین و ملت کے دوسرے مختلف کاموں میں بیت المال سے رقمیں صرف کی جاتی ہیں۔

موجودہ امیر شریعت مدظلہ کے زمانہ میں شعبہ بیت المال نے بھی کافی ترقی کی ہے۔ ۱۳۷۷ھ میں (جو امیر شریعت رابع مدظلہ کا پہلا سال تھا)، بیت المال کی کل آمدنی ۲۳۰۶۳-۶۲ تھی اور ۱۳۸۳ھ میں چھ سال بعد بیت المال کی آمدنی ۴۲۵۳۲-۷ ہوگئی۔ اور پھر چھ سال بعد ۱۳۸۹ھ میں بیت المال کی آمدنی بڑھ کر ۱۳۷۲۶۲-۶۰ ہوگئی۔ اور ۱۳۹۵ھ میں ۱۴۶۳۰۵-۳۵ ایک لاکھ چھیالیس ہزار تین سو پانچ روپے پینتیس پیسے ہوگئی۔ اس سے تمام شعبہ جات کی ترقی اور کارکردگی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

تحفظ مسلمین

مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت، ان کے مذہب و

قانون کو مخالفین کے دست بُرد سے بچانا، ناگہانی آفات اور فرقہ وارانہ فسادات کے ستم رسیدوں کی امداد، مسلمانوں سے خوف وہراس دُور کرکے ان میں اعتماد پیدا کرنا، مسلم پرسنل لا، مسلم اوقاف اور ملّی اداروں کے تحفظ کی تحریکات میں قائدانہ حصہ لینا، اس شعبہ کے خاص مقاصد ہیں۔ مذہبی حیثیت سے اصلاح و ہدایت شعبۂ تبلیغ کا کام ہے۔ اور اگر کوئی فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے اور مسلمان بلاجرم مقدمات وغیرہ میں ماخوذ ہوتے ہیں تو شعبۂ "تحفظ مسلمین" حرکت میں آتا ہے،

شعبۂ تبلیغ

دین کی اشاعت اور حق کی تبلیغ اس شعبہ کا خاص کام ہے۔ مسلم آبادیوں کو ان کی مذہبی خامیوں، کوتاہیوں اور غلط مراسم کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا انھیں اسلامی زندگی گذارنے کی ترغیب دینا مبلغین کا فریضہ ہے! مسلمان کہیں بدعات میں مبتلا ہوتے ہیں، اور کہیں مشرکانہ رسم ورواج میں گرفتار، کہیں کمیونزم کا دباؤ ہوتا ہے۔ اور کہیں الحاد ودہریت کا طوفان اُٹھتا ہے کہیں دینی تعلیم سے محرومی ہوتی ہے۔ اور کہیں اسلامی شعار سے بُعد، شعبۂ تبلیغ کی نظران تمام چیزوں پر رہتی ہے۔ اور اس شعبہ کے ذریعہ ان تمام اُمور میں اصلاح کی جدوجہد کی جاتی ہے!۔

اسی کے ساتھ نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ کی پابندی کی تلقین، باہمی اخوت ومحبت اور صلح وآشتی کی اہمیت اور زندگی کے دوسرے گوشوں میں احکام

اخلاق کی ضرورت کی نشاندہی اور مسلمانوں کے ذہن میں ان امور کا راسخ کرنا بھی اس شعبہ کی ذمہ داری ہے۔ مسلمانوں میں تبلیغ حق کے ساتھ یہ شعبہ غیر مسلموں کو بھی محاسن اسلام اور دینِ محمدیؐ کی امتیازی خصوصیات سے روشناس کرتا ہے تاکہ یہ تعلیماتِ اسلام سے واقف ہوں اور حق و صداقت کی طرف مائل ہوسکیں

اس وقت شعبہ تبلیغ میں ۲۲ مبلغین ہیں، یہ سب عالم دین، مُقرّر اور ذی ہوش افراد ہیں۔ ان میں جناب مولانا الحاج احمد حسین صاحب ساقی (چمپارن) جناب مولانا فداء الرحمٰن صاحب قاسمی (پلاموں)، جناب مولانا محمد موسیٰ صاحب (دربھنگہ)، جناب مولانا عبداللہ صاحب (دربھنگہ)، جناب مولانا عبدالعلیم صاحب (مونگیر)، جناب مولانا سعید احمد صاحب (بھاگلپور) جناب مولانا ضیاء اللہ صاحب رحمانی (ہزاری باغ)، جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب (دربھنگہ) جناب مولانا عبدالعزیز صاحب قاسمی (مدھوبنی) جناب مولانا روح اللہ صاحب منظر (مدھوبنی)، اور مولانا ابوالخیر صاحب قاسمی (دربھنگہ) زیادہ نمایاں اور ممتاز ہیں۔

مبلغین کو دفتر امارت سے تبلیغ کی سند ملتی ہے جس پر ناظم کے دستخط اور مہر ہوتی ہے۔ ضروری ہدایات بھی اس پر درج ہوتی ہیں۔ چند خصوصی دفعات درجِ ذیل ہیں۔

مبلغین کے لیۓ خصوصی ہدایات

(۱) مسئلہ امارت کی تفہیم اور اسلامی زندگی کے لیۓ اس کی ضرورت کی توضیح کرنا (۲) اہلِ معاملات و مقدمات کے تصفیہ کے لیۓ دارالقضاء سے فیصلہ حاصل کرنے کی ترغیب دینا۔ اور ہر مسلمان مرد و عورت

تک یہ پہونچا دینا کہ ان پر امیر کی اطاعت واجب ہے اور ان کے احکام سے انحراف معصیت (۳) نماز با جماعت کی تاکید، منکرات، بُری رسموں اور اسرافِ بے جا سے احتراز پر خصوصیت سے زور دینا (۴) مختلف فیہ مسائل پر مناظرہ نہ کرنا (۵) زکوٰۃ وعشر نکالنے پر زور دینا۔ (۶) نذرانہ کسی قیمت پر قبول نہ کرنا

شعبۂ تنظیم

اس شعبہ کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک کلمہ کی بنیاد پر منظم اور متحد کیا جاتا ہے اور افتراق وانتشار سے بچایا جاتا ہے۔ امارت شرعیہ کے کارکن اور مبلغین صوبہ کے شہروں اور دیہاتوں میں جاتے ہیں اور وہاں امارت کی تنظیم قائم کرتے ہیں۔ لوگوں کو ایک نقیب (سردار) کے تحت زندگی گذارنے کی تلقین کرتے ہیں۔ تنظیم کے باعث مسلمانوں میں اجتماعیت پیدا ہوتی ہے۔ تمام دینی وملی امور پورے نظم واتحاد کے ساتھ انجام پاتے ہیں۔ مقامی جھگڑے طے ہو جاتے ہیں اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا نظم کیا جاتا ہے۔ تنظیم کا جو ذمہ دار مقرر کیا جاتا ہے، اسے دفتر امارت شرعیہ سے سند دی جاتی ہے، جس پر ناظم کے دستخط اور امارت شرعیہ کی مہر ہوتی ہے ساتھ ہی ضروری ہدایات لکھی دی جاتی ہیں۔

امارت کے ذیلی دفاتر

اب تک بہار، واڑیسہ میں پانچ ہزار سے زیادہ مقامات پر نئی تنظیم قائم کی جا چکی ہے اور اکثر جگہ منتخب شدہ نقیب مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ تنظیم کی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے ہیں

تنظیم کو زیادہ مؤثر اور فعال بنانے کے لیۓ امارت شرعیہ کے ذیلی دفاتر بھی قائم کیۓ گئے ہیں۔

(۱) راوڑ کیلا، یہ صوبہ اڑیسہ کا مشہور صنعتی مقام ہے۔ یہاں امارت شرعیہ کا ذیلی دفتر مستعدی کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ اور جناب مولانا موسیٰ صاحب دفتر اور یہاں کے کاموں کے ذمہ دار ہیں۔

(۲) رانچی۔ یہاں کے ذیلی دفتر کے ذمہ دار جناب مولانا محمد سعید صاحب ہیں۔

(۳) دھنباد۔ یہ کوئلہ کی کانوں اور دوسری صنعتوں کا ضلع ہے۔ یہاں صنعتی مزدور بکثرت ہیں، اس ضلع میں بھی امارت شرعیہ کا ایک ذیلی دفتر مولانا محمد ضیاء اللہ رحمانی کی نگرانی میں کام کر رہا ہے۔ دفتر کے ساتھ ساتھ ایک مکتب بھی کھول دیا گیا ہے۔ جس میں دینی تعلیم کا خاص نظم ہے۔

(۴) بتیا۔ یہاں بھی امارت شرعیہ کا ایک ذیلی دفتر ہے اور اسی کے ساتھ ایک دینی مدرسہ بھی ہے جس میں اردو اور فارسی کی تعلیم کے ساتھ عربی کی تعلیم کا بھی متوسطات تک نظم ہے۔ یہ مدرسہ ایک عرصہ سے قائم ہے۔

(۵) کلکتہ۔ اگرچہ یہ مغربی بنگال کا صدر مقام ہے۔ لیکن یہاں بہار و اڑیسہ کے مسلمان بڑی تعداد میں رہتے ہیں، اور ان کے مقدمات بھی دارالقضاء میں کثرت سے آتے ہیں۔ اس لیۓ یہاں بھی امارت شرعیہ کے ذیلی دفتر کی شدید ضرورت تھی، چنانچہ یہاں بھی چند سالوں سے ایک

دفتر قائم ہے، جس کی دیکھ بھال مولانا عبدالعزیز صاحب قاسمی کے سپرد ہے۔

حلقہ کا دینی سردار

تنظیم کے یہ ذمہ دار حضرات (منتظمین) دیہات وشہر میں جاتے ہیں اور لوگوں کو پوری صحت اور دیانت کے ساتھ عبادات ومعاملات انجام دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ انھیں اجتماعی مسائل کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اور نظم وہم آہنگی کے فوائد بیان کر کے وہاں کی مسلم آبادی سے اپنا ایک سردار منتخب کر لینے کی درخواست کرتے ہیں جس کا لقب نقیب ہوتا ہے، یہ نقیب اپنے حلقہ کے مسلمانوں اور امیر شریعت کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ حلقہ کی ضرورتوں کا خواہ دینی ہو یا دنیاوی، دفتر امارت شرعیہ کے ذریعہ امیر شریعت تک پہونچانا اس کے فرائض میں داخل ہے۔ اسی طرح امارت شرعیہ کی ہدایات اور امیر شریعت کے فرامین اپنے حلقہ کے مسلمانوں تک پہونچانا بھی نقیب کی ایک اہم ذمہ داری ہے جب کسی حلقہ میں تنظیم قائم ہو جاتی ہے اور نقیب کا انتخاب عمل میں آجاتا ہے تو (منظم) اس حلقہ کے مسلمانوں پر قومی محصول کی تشخیص کرتا ہے اور رجسٹر تنظیم کو مکمل کر کے نقیب کے نام کے ساتھ دفتر امارت شرعیہ بھیج دیتا ہے۔ دفتر سے نقیب کو سند دی جاتی ہے۔ جس پر امیر شریعت اور نائب امیر شریعت کے دستخط ہوتے ہیں۔

سند نقابت میں نقیب کو بتایا جاتا ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ کے بارہ قبیلوں کے لیے بارہ ذمہ دار مقرر کیے تھے اور انھیں نقیب کا لقب دیا تھا۔ یہ نقباء اپنے اپنے قبیلہ

کے سردار اور ذمہ دار قرار پائے۔ انھوں نے اپنے دنیوی تعلقات اور گھریلو ضروریات کے ساتھ مذہبی خدمات میں اپنی جانیں لڑا دیں اور اطاعت و فرمانبرداری کے اس عہد کو پورا کیا۔ جو انھوں نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر "مکہ معظمہ" میں کیا تھا۔ اور تبلیغ و اشاعتِ اسلام کا حق ادا کیا۔ جس کے نتیجہ میں مدینہ طیبہ کی زمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے لیے ہموار ہو گئی۔ — آج اس عہدہ اور اس لقب سے آپ کو سرفرازی ملی ہے۔ آپ اپنے محلہ اور گاؤں کے سردار مقرر ہوئے ہیں، آپ کا فرض ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کیے ہوئے بارہ نقیبوں کی اتباع اور پیروی کریں، اور دین کی خدمت اور اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں اپنی جانیں لڑا دیں اور اپنی ذمہ داریوں کو پورے اخلاص اور محنت سے انجام دیں۔

سند نقابت میں کچھ ہدایات بھی درج ہوتی ہیں جس کی خاص باتیں درج ذیل ہیں:۔

چونکہ ہر ایک نقیب اپنے موضع اور مسلم آبادی کا مذہبی حیثیت سے ایک ممتاز سردار ہوتا ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ:۔

(۱) احکامِ شریعت کا پابند رہے اور کوشش کرے کہ اس کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہونچے۔

(۲) مسلمانوں کے ساتھ اخوتِ اسلامی کے پیشِ نظر مساویانہ برتاؤ رکھے

(۳) مسلمانوں میں نفاق اور پھوٹ نہ ہونے دے۔ اگر کوئی اختلاف

پیدا ہو جائے تو صلح کرانے کی کوشش کرے۔ اگر لوگ صلح پر رضامند نہ ہوں تو پھر شرعی عدالت میں مقدمہ بھجوائے، اور اگر اس میں بھی ناکامی ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

(۴) اگر اس کے حلقہ میں کوئی فتنہ کھڑا ہو گیا ہو، یا پیش آنے کا خوف ہو تو فوراً دفتر کو مطلع کرے۔

(۵) اپنے حلقہ کے ہر شخص سے زکوٰۃ وعُشر وصول کرنا اور اس کی رسید دے کر رجسٹر میں لکھنا، نیز ہر شخص سے ہر سہ ماہی "قومی محصول" وصول کر کے رسید دینا بھی نقیب کے فرائض میں داخل ہے۔

(۶) دفتر سے بالواسطہ یا بلا واسطہ آئی ہوئی ہدایات پر عمل کرنا، مخالفین کی سازشوں سے ہوشیار رہنا اور غیر مسلموں کو اسلام کے محاسن سے آشنا کرنا بھی "نقیب" کی ذمہ داری ہے۔

(۷) تقریبات شادی اور ختنہ وغیرہ میں خود فضول خرچی سے بچنا، اور دوسرے مسلمانوں کو روکنا، نیز مسلمانوں میں تجارت اور صنعت وحرفت کا شوق پیدا کرنا، صحت جسمانی کے لیے ورزش، اور اپنی ذات، اپنی ملت اور اپنے پڑوسی کی جان و مال کے تحفظ کے لیے لاٹھی وغیرہ کی مشق کی ترغیب بھی نقیب کا ایک اہم فریضہ ہے۔

گاؤں سے ضلع تک تنظیم کا خاکہ

نقیب اپنے گاؤں یا محلہ کا سردار ہوتا ہے۔ پھر کئی محلوں اور پورے شہر کا، اس طرح چند گاؤں یا پورے تھانہ کے نقیبوں کا شرعی ذمہ دار مقرر کیا جاتا ہے۔ اسے امارت کی اصطلاح میں

"رئیس النقباء" کہتے ہیں۔ یہ اپنے تمام نقیبوں کی کارگذاری اور اپنے پورے حلقہ کی تنظیم کی نگرانی کرتا ہے، اس طرح جب کئی تھانوں کی تنظیم ہو جاتی ہے تو ہر ایک سب ڈویژن یا تحصیل پر نقیبوں اور رئیس النقباء کے مشورے سے ایک صدر النقیب کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔ اس کا فرض یہ ہوتا ہے کہ پوری تحصیل یا ڈویژن کے نقیبوں اور تمام رئیس النقباء کے کاموں کی دیکھ بھال رکھے، اور پورے علاقہ کے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک اور ان کی حالتوں سے باخبر رہے۔ اس طرح جب پورے ضلع کی تنظیم مکمل ہو جاتی ہے تو ضلع بھر کے نقیبوں اور رئیس النقباء اور صدر النقیب کے مشورے سے پورے ضلع کا ایک مذہبی سردار منتخب کیا جاتا ہے۔ اس پر پورے ضلع کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کا لقب امارت شرعیہ کے نظام میں "عاقب" ہوتا ہے اس کی ایک مجلس شوریٰ بھی ہوتی ہے جس کے مشورے سے یہ اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس طرح پورے ضلع کی تنظیم بہت ٹھوس بنیاد پر قائم ہوتی ہے پھر انھیں ذمہ داروں کے ذریعہ "قومی محصول" عشر و زکوٰۃ اور دوسرے دینی کاموں کی تنظیم عمل میں آتی ہے، اور ان ہی کی نگرانی میں یہ ساری خدمات انجام پاتی ہیں۔ عامل امارت شرعیہ جا کر یہ رقمیں وصول کرتا ہے اور لا کر بیت المال میں داخل کرتا ہے۔

<u>قومی محصول</u> | قومی محصول ہر ایک شخص کی مالی حیثیت کے مطابق متعین کیا جاتا ہے۔ اور ایسے مفلس لوگ جو موجودہ حالات میں تین روپے سالانہ

دینے کی بھی سکت نہیں رکھتے، وہ اس محصول سے مستثنیٰ قرار پاتے ہیں، قومی محصول ہر شخص پر ایک روپیہ سالانہ سے بارہ روپے سالانہ تک مقرر کیا جا سکتا ہے، مقامی ضرورت کے لئے نقیب اپنے حلقہ میں چندہ بھی کر سکتے ہیں اور کوئی معمولی رقم ماہانہ یا سہ ماہی بھی اپنے حلقہ کے اشخاص سے ان کے مشورہ سے لے سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب خالص اسلامی جذبہ کی بنیاد پر ہوتا ہے، جبر و اکراہ کا کوئی سوال نہیں۔

دارالاشاعت اس شعبہ سے عموماً مسلمانوں کے لئے علمی، دینی اور اصلاحی رسائل و کتب شائع ہوتی رہتی ہیں بلکہ بعض رسائل اور کتابیں بار بار طبع ہوتی ہیں۔ مبتدی بچوں کے نصاب سے متعلق بھی بعض کتابیں چھپوانی پڑتی ہیں، اب تک اُردو ہندی دونوں زبانوں میں اس شعبہ سے کئی کتابیں اور رسالے شائع ہو چکے ہیں۔ یہ شعبہ حتی الوسع غیر مسلموں تک بھی ہندی زبان میں اسلام کا تعارف اور اس کے فضائل و محاسن پہونچانے کی سعی کرتا ہے۔ حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ کے دور میں ہندی رسائل کی اشاعت کی طرف مزید توجہ دی گئی۔ چنانچہ ۱۸ اپریل ۷۰ء کی مجلس شوریٰ نے ایک تجویز منظور کی تھی، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

اسلامی نقطۂ نگاہ سے ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے ہموطن بھائیوں تک اسلام کا پیغام پوری طرح پہونچاتے لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم اپنے ہم وطن بھائیوں کو کماحقہٗ اسلام سے روشناس نہیں کرا سکے۔ اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے مجلس شوریٰ

امارت شرعیہ طے کرتی ہے کہ ہندی زبان کے ذریعہ اسلام کے تعارف کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کی جائے، نیز مجلسِ شوریٰ ان اہلِ قلم حضرات سے جو ہندی میں اسلامی موضوعات پر لکھ سکتے ہیں اپیل کرتی ہے کہ وہ اسلام کے محاسن پر ہندی زبان میں رسائل لکھیں، اور اس طرح اسکیم کی کامیابی کے لیے امارت شرعیہ کے ساتھ تعاون کریں۔ (محرک مولانا محمد حسین صاحب چمپارن، مؤید جناب پروفیسر عبدالحی صاحب پٹنہ)

اخبار "نقیب" امارت شرعیہ کے ابتدائی دور میں اس کی طرف سے "امارت" نامی پندرہ روزہ اخبار نکلا کرتا تھا۔ ۳ر جولائی ۱۹۳۳ء کے ایک اداریہ پر حکومتِ برطانیہ نے اس سے ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب کرلی جس کے نتیجہ میں "امارت" بند ہوگیا اور اس کی جگہ دوسرا اخبار "نقیب" کے نام سے جاری کیا گیا۔ جو بحمد اللہ اب تک نکل رہا ہے۔ موجودہ امیر شریعت مدظلہ کے عہدِ مسعود میں اس کو کافی ترقی حاصل ہوئی، اور مزید افادیت کے پیشِ نظر نقیب کو پندرہ روزہ کے بجائے ہفتہ وار کردیا گیا، اور اس کے صفحات میں اضافہ کردیا گیا، چنانچہ اب یہ سولہ صفحات پر شائع ہوتا ہے۔ عمدہ مضامین، جاندار اداریہ، سیاسی دینی اور علمی معلومات کے لیے یہ اخبار ممتاز ہے، طباعت و کتابت نفیس اور ہر طرح دل کش، اس میں پابندی سے درسِ قرآن، درسِ حدیث اور فتاویٰ بھی ہر ہفتہ شائع ہوتے ہیں۔ ہفتہ بھر کی ضروری خبروں کا خلاصہ بھی دیدیا جاتا ہے۔ سیاسی مضامین اور انگریزی اور ہندی اخبارات کے ضروری اقتباسات بھی اردو

ترجمہ کر کے شائع کیے جاتے ہیں۔

اس جریدہ کی ادارت میں حضرت مولانا سید شاہ عثمان غنی صاحب مدظلہ، جناب صغیر الحق صاحب ناصری اور جناب شاہ محمد عثمانی رہ چکے ہیں۔ آجکل مدیر اعلیٰ جناب شاہد رام نگری اور مدیر مولانا اصغر امام صاحب فلسفی ہیں۔ شاہد صاحب بنارس کے رہنے والے ہیں، آپ نے سیاسی بصیرت، صحافت کا سلیقہ اور مسائل کا تجزیہ وراثت میں پایا ہے۔ ۱۳۸۷ھ میں حضرت امیر شریعت رابع مدظلہ، نے آپ کو "نقیب" کا مدیر اعلیٰ مقرر فرمایا تھا۔

مولانا اصغر امام فلسفی پٹنہ کے رہنے والے ہیں۔ مدرسہ رحمانیہ دہلی سے فراغت حاصل کی، آزادی کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا، اور امارت شرعیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی بہت قدیم ہے۔

شعبۂ تعلیم دینی تعلیم کی ترویج اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت امارت شرعیہ کے خاص مقاصد میں داخل ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیۓ امارت شرعیہ ہمیشہ کوشاں رہی ہے اور اسی لیۓ امارت شرعیہ نے مختلف علاقوں اور حصّوں میں مکاتب و مدارس کھول رکھے ہیں۔ جہاں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیۓ معقول انتظام ہے۔ ضلع چمپارن کے گدّیوں میں چونکہ ایک دفعہ ارتداد کا طوفان اُٹھ چکا ہے جس میں امارت شرعیہ نے حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کے طفیل قابو پایا تھا۔ اس لیۓ اسلامی تعلیمات کو پھیلانے اور ان میں دین راسخ کرنے کے لیۓ امارت شرعیہ نے خصوصیت کے ساتھ چمپارن کے گدیوں والے حلقہ میں مکاتب

قائم کیے جس کا پورا خرچ امارت شرعیہ کے بیت المال سے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح متعدد مدارس بھی چل رہے ہیں۔ اور بڑی تعداد میں ایسے مکاتب و مدارس ہیں جن کے عمومی اخراجات مقامی لوگوں یا آس پاس سے پورے ہوتے ہیں۔ بیت المال سے ان کو صرف ماہوار ایک متعین امداد ملتی ہے۔

مکاتب و مدارس کھولنے، چلانے اور ان کی مدد کرنے کے ساتھ موجودہ امیر شریعت مدظلہ کے دور میں بیت المال سے اُن طلبہ کو بھی ماہوار اور وقتی امداد ملتی ہے جو ملک کے مختلف مدارس اسلامیہ میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور غیر مستطیع ہیں۔ ممکن حد تک اس سلسلہ کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جا رہا ہے۔

تعلیمی فنڈ | امارت شرعیہ یہ بھی چاہتی ہے کہ مسلمان علمی، اقتصادی، تکنیکی اور سائنٹفک شعبوں میں ترقی کریں اور مسلمان رہتے ہوئے اس راہ میں بھی بہتر صلاحیت کا ثبوت دیں۔

یہ دیکھا جا رہا ہے کہ بہت سے محنتی اور ذہین طلبہ جو عصری تعلیم میں اچھے اور نمایاں ہوتے ہیں، محض اپنی غربت اور افلاس کے سبب تکمیل سے پہلے ہی تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ ایک بڑا قومی اور ملی نقصان ہے۔ اس لیے امارت شرعیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ تعلیمی فنڈ کھولا جائے جس سے اعلیٰ عصری تعلیم حاصل کرنے والے نادار طلبہ کو وظیفہ دیا جائے جس سے وہ مطمئن ہو کر اپنی تعلیم کو مکمل کریں اور ان سے درخواست کی جائے کہ تکمیل تعلیم کے بعد جب وہ برسر روزگار ہو جائیں تو تدریجاً وظیفہ کی رقم کو تعلیمی فنڈ میں واپس کر دیں، جو اہم

تعلیم میں ان کو دی گئی ہے تاکہ پھر اس رقم سے دوسرے پڑھنے والوں کو سہارا دیا جا سکے۔

چنانچہ موجودہ امیرِ شریعت مدظلہ نے اس کام کے لیے ۱۹۷۰ء میں تعلیمی فنڈ قائم کیا۔ یہ فنڈ اسکول و کالج کے اساتذہ، ڈاکٹر، انجنیر اور دوسرے مخیّر حضرات کی خصوصی اعانت سے اب تک قائم ہے، اور اس وقت اس فنڈ سے میڈیکل کالج کے متعدد طلبہ کو وظائف دیے جا رہے ہیں۔

امارت شرعیہ کی اہم دینی وملّی خدمات

امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسہ نے ملک وملت اور اسلام کی اپنی زندگی بھر جو قابلِ قدر خدمتیں انجام دی ہیں، ان کی پوری تفصیل پیش کرنا اس کتاب میں مشکل ہے البتہ بعض اہم خدمات کا اجمالی تذکرہ ناگزیر ہے، تاکہ کتاب پڑھنے والے اندازہ لگا سکیں کہ حالات کی ناسازگاری کے باوجود ذمہ دارانِ امارتِ شرعیہ نے کس ملّی جرأت و ہمت اور اسلامی غیرت و حمیّت کا ثبوت دیا ہے، اور ساری بے سروسامانی کے باوصف اس دینی ادارے سے کس قدر اہم اور عظیم الشان کارنامے انجام پائے ہیں۔

مسلمانوں کی ملّی شیرازہ بندی

اس دینی تنظیم کی جس وقت داغ بیل ڈالی گئی تھی، ملک غلام تھا، اور عوام و خواص دونوں اس ملّی اور دینی تنظیم سے عملاً ناآشنا تھے، ایک محکوم اور غلام قوم میں جو کمزوریاں ہوا کرتی ہیں اور عموماً جیسا

انتشار پایا جاتا ہے، وہ سب مسلمانوں میں موجود تھا، امارت شرعیہ نے سب سے پہلے ان کی شیرازہ بندی کا فریضہ انجام دیا۔ ہر ہر ضلع، شہر، قصبہ اور گاؤں میں جہاں مسلمان آباد تھے، کارکنانِ امارت شرعیہ پہونچے اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کرکے اسلامی احکام و مسائل ان کے سامنے رکھے، باہمی اتحاد و یک جہتی کی دعوت دی اور انھیں منظم کیا، ہر ضلع اور آبادی میں نقیب، رئیس النقباء اور صدر النقیب کا انتخاب عمل میں آیا۔

بیت المال کا قیام بیت المال امارت شرعیہ کے لیئے قومی محصول کی تشخیص عمل میں آئی اور اس کی وصولی کا انتظام کیا گیا۔ اسی کے ساتھ زکوٰۃ و صدقات اور عشر کی ادائیگی کی اہمیت بتائی گئی اور اس کے وصول کرنے کے لیئے عاملین مقرر کیئے گئے، ابتدائی سالوں میں گیارہ ہزار چھ سو اسّی مسلم آبادیوں کی تنظیم ہوئی۔

راغب احسن ایم۔ اے کا بیان ہے:۔

"حضرت مولانا شاہ بدرالدین صاحبؒ (امیر اول) کے دورِ امارت میں حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کی قیادت کے ماتحت امارت شرعیہ کی تنظیم مخصوص ادارات کے ساتھ کی گئی تھی، بہار کے اکثر مواضعات اور امصار میں اس کے نقیب اور عمّال، مبلغین اور ناظرین مقرر کیئے گئے تھے، زکوٰۃ، صدقات، عشر وغیرہ کے وصول کرنے اور بیت المال میں جمع کرنے کا انتظام بھی کیا گیا تھا، قومی محصول کی تشخیص بھی گاؤں گاؤں عمل میں لائی گئی تھی، مسلمانوں کی مردم شماری کی گئی تھی[1]۔"

---

[1] محاسنِ سجاد ص۱۲۰ مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی۔

موجودہ حالات میں امارت کی خدمت

موجودہ امیرِ شریعت کے دورِ امارت میں یہ تنظیم اور مضبوط ہو چکی ہے اور پہلے سے زیادہ آبادیوں میں پھیل چکی ہے، مبلغین کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا ہے، اس کا تجربہ ۱۹۶۷ء میں اُس وقت ہوا، جب امریکہ کی مدد سے اسرائیلی حکومت نے دفعتہً مصر، شام اور اردن پر حملہ کر کے عرب کی بہت ساری زمین دبا لی، ہزاروں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا اور ایک بہت بڑے رقبے میں بسنے والے مسلمانوں کے مکانات مسمار کر ڈالے، اُس وقت ہندوستان کے مسلمانوں نے مظلومینِ عرب کے لیئے امداد کی اسکیم تیار کی، امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ نے اس سلسلے میں بہار کے مسلمانوں کو آواز دی، عرب کی حمایت میں ایک عظیم الشان فلسطین کانفرنس بلائی۔ اس موقع پر امارت شرعیہ کی اپیل پر غالباً صرف دو تین ہفتے میں مسلمانانِ بہار نے ایک لاکھ روپے سے زیادہ رقم جمع کر دی، جسے امیر شریعت مدظلہ نے مظلومینِ عرب کے لیئے ان ممالک کے سفیروں کے حوالہ[1] کی۔

مقدمات کی گرانباری سے نجات

امارت شرعیہ نے اپنے قیام کے ساتھ دارالقضاء

---

[1] بہار میں یہ ایک تاریخی کانفرنس تھی، اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر امیر شریعت مدظلہ تھے اور سکریٹری محترم غلام سرور صاحب اڈیٹر سنگم پٹنہ۔ اور پُرجوش اراکین میں مولانا بیتاب صدیقی، پروفیسر عبدالمغنی، مشتاق احمد صاحب سابق ایم۔ ایل۔ اے۔ شاہ جعفر حسین صاحب اور سعید صاحب مرحوم وغیرہ اور غیر صوبے سے شرکت کرنے والوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا اسعد مدنی موجودہ صدر جمعیۃ علماء ہند۔ جلسہ کی صدارت مہتمم صاحب موصوف نے کی تھی۔

قائم کیا اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ اپنے مقدمات سرکاری کچہریوں کے بجائے دار القضاء میں دائر کریں اور اس طرح وہ اپنے اوپر اسلامی قانون نافذ کریں، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان مقدمات کے بے جا اخراجات سے بڑی حد تک محفوظ ہو گئے، مبلغین نے ہر ہر آبادی میں پہونچ کر مسلمانوں میں باہم صلح صفائی کی عظیم خدمت انجام دی۔

عورتوں کے حقوق کی نگرانی

مسلمان مظلوم عورتیں جو قیام امارت شرعیہ سے پہلے اپنے شوہروں کے مظالم، حقوق کی عدم ادائیگی، مفقود الخبری اور دوسرے طریقوں سے پریشان حال تھیں۔ امارت شرعیہ نے دار القضاء کے ذریعہ انھیں ان کا شرعی اور قانونی حق دلایا اور مصائب سے نجات دلانے میں بھرپور مدد کی اور اب یہ نظام بحمد اللہ کافی پھیل چکا ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مشرکانہ مراسم سے توبہ اور عقائد و اعمال کی اصلاح

جس وقت امارتِ شرعیہ کی بنیاد رکھی گئی تھی دور دراز دیہاتوں میں بہت سے مسلمان ایسے تھے جن میں غیر اسلامی اور مشرکانہ رسوم پھیلی ہوئی تھیں۔ صحیح اسلامی عقائد ان تک پہنچانے والا کوئی نہیں تھا، امارت شرعیہ نے اپنے مخلص مبلغین کے ذریعہ ان مسلمانوں کی اصلاح کا فریضہ انجام دیا، مشرکانہ اعمال و مراسم سے توبہ کرائی، اور اسلامی عقائد و اخلاق سے انھیں آشنا کیا، تقریباً بارہ ہزار شہروں، دیہاتوں اور مسلم آبادیوں کا اجتماعی یا انفرادی دورہ کیا گیا، جس کے نتیجہ میں ہزارہا ہزار مسلمانوں کے عقائد درست ہوئے،

اُس دَور میں نماز پڑھنے کا شوق مسلمانوں میں بہت کم تھا، امارت شرعیہ نے مسلمانوں کو اس بنیادی عبادت کی اہمیت جتائی اور مسجدوں کے آباد کرنے کی ترغیب دی، بلکہ بہت سی جگہوں میں مسجدیں بھی تعمیر کرائی گئیں، اس کا بہت

خوشگوار اثر ہوا، اور اُنتیس ہزار ایک سو سینتیس (۲۹۱۳۷) مسلمانوں نے باضابطہ ترکِ نماز سے توبہ کی اور پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے کا عہد کیا۔ اسی طرح چھ ہزار آٹھ سو ترپن (۶۸۵۳) مسلمانوں نے جو مشرکانہ رسوم میں مبتلا تھے، باضابطہ کارکنانِ امارت کے ہاتھوں پر توبہ کی، کچھ مسلمان جو گھروں میں مورتیاں رکھتے تھے، انھیں نکال کر پھینکا، کچھ ایسے بھی تھے جو اُس وقت سروں پر چوٹیاں رکھتے تھے انھوں نے چوٹیاں کٹوائیں، اُس وقت رپورٹ میں ایسے مسلمانوں کی تعداد چھ ہزار پانچ سو آٹھ (۶۵۰۸) درج ملتی ہے۔

نشہ خوری سے توبہ بہار کے بعض علاقوں میں شراب اور تاڑی پینے کا بہت رواج تھا مسلمان بھی اس نشہ خوری میں مبتلا تھے، امارت شرعیہ کے مبلغین اور کارکنوں نے ان علاقوں میں پہونچ کر ایسے مسلمانوں سے توبہ کرائی اور اس سے نفرت ذہنوں میں بٹھائی، ابتدائی دس سالوں میں ایسے توبہ کرنے والوں کی تعداد ۴،۳۴۴، تھی۔ ایسے پچھڑے ہوئے علاقوں میں امارت شرعیہ نے مسلمان بچوں کی تعلیم کے لیے بکثرت مکاتب و مدارس بھی کھولے۔

صلح و آشتی کی سعی مسلمانوں میں باہم مقدمات کی کثرت تھی۔ امارت شرعیہ نے اپنے کارکنوں اور مبلغین کے ذریعہ اس کی بھی سعی کی کہ یہ مقدمات ختم ہوں اور مسلمان باہم گلے مل جائیں اور اس راستے سے جو بربادی آرہی ہے وہ رُک جائے، چنانچہ اس میں بھی خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور سیکڑوں مقدمات صلح کے ذریعہ ختم ہوئے، اور مسلم آبادی میں انس و محبت کی فضا عام طور پر عود کر آئی۔

قبولِ اسلام امارت شرعیہ کے ابتدائی دور میں تبلیغی اجتماع کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا

کہ سیکڑوں غیر مسلموں نے برضا و رغبت دینِ اسلام کی دولت قبول کی اور کفر و شرک کی آلائشوں سے نکل آئے۔ اس دور میں ستر ہزار مذہبی مضامین اور پمفلیٹ مفت تقسیم کیے گئے۔

تحریک شدھی سنگھٹن کا مقابلہ

۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۶ء میں انگریزوں کے ایما سے شدھی سنگھٹن کی تحریک شروع ہوئی اور پوری قوت کے ساتھ ملک میں پھیلی، صوبہ بہار و اڑیسہ بھی اس کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا، یہ وقت بڑا نازک اور سخت تھا۔ ایک طرف ترک موالات اور خلافت کی تحریک چل رہی تھی، اور دوسری طرف یہ شدھی والی تحریک، لہٰذا جو مسلمان اس سیاسی تحریک سے وابستہ تھے۔ اور جن کا کانگریس سے اتحاد تھا، وہ اپنے کو بڑی کشمکش میں محسوس کرنے لگے، لیڈران کرام گھبرا کر منہ چھپانے لگے، لیکن امارت شرعیہ جو خود بھی جنگِ آزادی میں پیش پیش تھی، اس نے دیکھا کہ اگر اس موقع سے خاموشی اختیار کی گئی اور شدھی تحریک کا کھل کر مقابلہ نہیں کیا گیا، تو مسلمانوں کے کمزور طبقوں میں ارتداد پھیل پڑے گا، اس وقت سیاست کے نام پر مذہب کو قربان کرنا ہرگز دانشمندی نہیں ہوگی، چنانچہ امارت نے اپنے مبلغین اور بہی خواہوں کے ذریعہ اس تحریک کا پوری قوت سے مقابلہ کیا اور نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نے بنفسِ نفیس قیادت کا فریضہ انجام دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بروقت جدوجہد سے فتنۂ ارتداد ختم ہوگیا اور مخالفینِ اسلام اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہیں ہوسکے،

ارتداد سے توبہ اور مکاتب و مساجد کی تعمیر

اسی زمانہ میں ضلع گورکھپور میں جو ضلع

چمپارن سے ملا ہوا علاقہ ہے گدّی قوم کے چار سو مسلمانوں کو مکر و فریب، ظلم وجور اور مختلف دباؤ سے مرتد کرلیا گیا تھا، کارکنان امارت شرعیہ نے دفتر کو اطلاع دی کہ یہاں ایسا واقعہ ہوگیا ہے، اس خبر کے ملتے ہی حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود وہاں پہونچے اور مقامی کارکنوں کی مدد سے وہاں تبلیغی جلسے کیے جو مسلمان مرتد ہوگئے تھے، انھیں سمجھایا چنانچہ انھوں نے ارتداد سے توبہ کی اور دوبارہ اپنے سابق دین اسلام میں داخل ہوئے، پھر یہاں مکتب قائم کرکے استاذ مقرر کردیئے گئے کہ وہ انکے بچوں کی تعلیم و تربیت پر محنت کریں۔ اور ان کے جوانوں اور بوڑھوں میں دین کی تبلیغ کرتے رہیں۔ اس علاقہ میں بہت سے مکتب قائم کرنے کے ساتھ کئی مسجدیں بھی تعمیر کرائی گئیں اور یہ سب کچھ امارت شرعیہ کی سعی و کاوش سے ہی ہوا۔

گدّی قوم کی اصلاح

ضلع چمپارن میں بھی اس گدّی قوم کی آبادی کوئی بائیس ہزار تھی، ان کا عمومی پیشہ مویشیوں کا پالنا تھا، دودھ، دہی اور گھی فروخت کرکے وہ اپنی زندگی گذارتے تھے، مگر جہالت و غربت بہت تھی، ان کے مردوں کے نام مہادیو، رام بلاس اور شیورتی وغیرہ جیسے ہوتے تھے۔ اور عورتوں کے بھگنیا، سیتا اور دروپدی جیسے۔ ان کے مرد اس وقت اپنے سروں پر چوٹی (ٹیک) بھی رکھتے تھے۔ ان میں ڈاڑھی رکھنے کا قطعاً رواج نہیں تھا،

اس علاقہ میں بھی آریہ سماجی پہونچ چکے تھے اور انھوں نے ان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی سعی شروع کردی تھی۔ بلکہ اس کا پورا نظام بھی طے ہوچکا تھا کہ فلاں دن فلاں مقام پر اور فلاں دن فلاں مقام پر یہ کام اس طرح کیا جائے گا،

اس کام کے لیئے بنارس اور اجودھیا کے پنڈت مدعو تھے۔

مبلغین امارت کی خدمت

جوں ہی اس کی اطلاع امارت شرعیہ کو ہوئی، عین موقع پر کارکنانِ امارت آپہونچے، اور ایک پورے جتھے کے ساتھ آئے، حالات اس درجہ خطرناک تھے کہ انگریزی حکومت نے فورس لگادی تھی، مبلغینِ امارت نے پہونچتے ہی تقریریں شروع کردیں اور اسلام کی خوبیاں مؤثر انداز میں بیان کرنے لگے،

ایک طرف یہ ہو رہا تھا، دوسری طرف آریہ سماجیوں کی تقریریں بھی جاری تھیں، مگر خدا کی رحمت سے مبلغین کے وعظوں کا بڑا اچھا اثر ہوا، تمام گدّی مسلمان ان کی طرف متوجہ ہوگئے، اور اپنے سروں سے چوٹیاں کٹوانے لگے اور اپنے مشرکانہ افعال سے توبہ کرنے لگے، نتیجہ یہ ہوا کہ آریہ سماجیوں کو ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سربرآوردہ افراد کو مدرسہ اسلامیہ بتیا میں جمع کیا اور انھیں نشیب وفراز سے واقف کیا اور جس قدر ان کا احترام ہوسکتا تھا کیا، اپنے ساتھ بٹھا کر کھلایا، پھر اس علاقہ میں پہونچ کر آپ نے مسجدیں بھی بنوائیں، مکاتب کھولے اور ان کے بچوں، جوانوں، مردوں اور عورتوں کے ہندوانہ نام بدل کر اسلامی نام رکھے۔

ہزاری باغ میں ارتداد سے توبہ

اُسی دَور میں شدھی کی تحریک سے متاثر ہوکر ضلع ہزاری باغ کے پانچ سو مسلمان بھی مرتد ہوگئے تھے، اطلاع ہوتے ہی امارت شرعیہ کے مبلغین اور ذمہ دار وہاں پہونچے، اور ان میں اسلام کی تبلیغ کی اور مرتد

ہونے والوں کو دوبارہ حلقۂ اسلام میں داخل کیا اور کفر و شرک سے توبہ کرائی۔

جرائم پیشہ ڈوموں میں اسلام کی تبلیغ

ضلع چمپارن میں ڈوموں کی ایک قوم تھی، جو جرائم پیشہ ہونے میں مشہور تھی، انگریزی حکومت نے ان تمام لوگوں کو پورے ضلع سے لالاکر جوتر و اسلمنٹ تھانہ بگہا اور رہری نگر تھانہ رام نگر میں یکجا آباد کیا اور اصلاح کے نام پر سلوشن آرمی کے سپرد کردیا تاکہ انھیں عیسائی بنایا جاسکے۔

امارت شرعیہ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ حکومت کی نگرانی میں اس جرائم پیشہ قوم کو عیسائی بنانے کی سعی ہو رہی ہے۔ اور اسی کے ساتھ آریہ سماجی بھی وہاں پہونچ چکے ہیں جو انھیں اپنے مذہب میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں امارت نے اپنے مبلغین کو متوجہ کیا کہ وہ وہاں پہونچ کر اسلام کی تبلیغ کریں اور اس قوم کو دین حق میں داخل ہونے کی ترغیب دیں۔ چنانچہ مبلغین نے وہاں پہونچ کر اپنا کام شروع کردیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس برادری کی ایک کافی تعداد نے اسلام قبول کیا، اور کفر و شرک کی آلائشوں سے باہر نکل آئی، پھر یہ سلسلۂ تبلیغ اسلام وہاں چل پڑا، اور لوگ اسلام قبول کرتے رہے۔

ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر جب پھیلی تو آریہ سماجی اپنے دانشوروں اور مقرروں کو لے کر وہاں پہونچے، اور اپنے ساتھ کافی روپے لے گئے کہ لالچ دلاکر انھیں شدھی کیا جائے گا، اور اسلام سے منحرف کرنے کی جدوجہد کی جائیگی، مگر ان آریہ سماجیوں نے وہاں پہونچ کر محسوس کیا بلکہ مشاہدہ کیا کہ اسلام ان کے دلوں میں اس طرح پیوست ہوچکا ہے کہ اب ان کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی، مگر انھوں نے پھر بھی اپنی سعی جاری رکھی،

مسلمان ہونے والوں کی پختگی

یہ نومسلم ایسے پختہ ہوچکے تھے کہ آریہ سماجیوں سے برملا کہتے تھے کہ یہ علماء اسلام ایک دسترخوان پر ہمارے ساتھ بلا تکلف کھاتے پیتے ہیں، ایک مسجد میں شانے سے شانے ملاکر نماز پڑھتے ہیں، اور یہ کسی طرح بھی ہم لوگوں کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھتے ہیں، آپ لوگ یہ برتاؤ ہمارے ساتھ ہرگز نہیں کرسکتے، اور نہ اونچ نیچ کی تفریق مٹا سکتے ہیں، اس لئے ہم آپ کی باتوں میں کیسے آسکتے ہیں۔

آخر میں آریہ سماجیوں نے مایوس ہوکر پولیس کا سہارا لیا، اور وہ انسپکٹر اور کانسٹبلوں کو لے کر آئے تاکہ دباؤ ڈالیں، اتفاق سے جس وقت یہ وہاں پہونچے ہیں، مبلغین امارت وہاں موجود تھے، امارت کے ذمہ داروں نے وہاں مسجد بنوادی تھی، وہی مسجد مرکزِ تبلیغ تھی، پولیس والوں نے ان مبلغینِ امارت سے کہا کہ آپ لوگوں نے چھوترواسلمنٹ کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، اور آپ حضرات برابران کے بگاڑنے میں مشغول ہیں، مبلغین نے جواب دیا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم یہاں مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں، جو برضا و رغبت یہاں آکر اسلام قبول کرنا چاہتا ہے، ہم صرف ان کو ہی اسلامی تعلیمات سے روشناس کراتے ہیں اور کلمہ پڑھاتے ہیں۔ یہ جواب سن کر پولیس والے لاجواب ہوگئے اور واپس ہونے لگے۔

اسلام قبول کرنے کا منظر

حاجی عدالت حسین کا بیان ہے کہ میں نے پولیس والوں سے درخواست کی کہ آپ ذرا ٹھہریں اور اپنی آنکھوں سے تماشہ دیکھیں، تاکہ آپ کو رپورٹ تیار کرنے میں آسانی ہو، ابھی ایک جماعت آنیوالی

ہے جس میں مرد و عورت دونوں ہوں گے، یہ سب دریا میں غسل کرنے گئے ہیں، پاک وصاف ہوکر مسجد میں داخل ہوں گے۔ یہ باتیں ابھی ہو ہی رہی تھیں کہ وہ جتھہ آگیا جس میں ۲۳ افراد تھے۔ مولانا محمد حفیظ الحسن صاحب مبلغ امارت شرعیہ نے مسجد میں ان سب کو کلمہ طیبہ پڑھا کر مسلمان کیا، پھر ان لوگوں نے خود ایک دوسرے کی چوٹی اور مونچھیں کاٹیں، پولیس نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

پھر وہاں سے کارکنان امارت شرعیہ اور مبلغین موضع "کوہا چوترا" مسلمانوں کی بستی میں آگئے، جو سلمنٹ کے قریب تھی، یہاں بھی جرائم پیشہ ڈوبوں کے جتھے کے جتھے آآکر مسلمان ہوتے رہے، اور چند دنوں میں ہی ان کی نصف آبادی حلقہ بگوش اسلام ہوگئی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ اس کے بعد ان نومسلموں کو سخت مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اسلام سے نہیں پھرا، بلکہ ہر ایک شخص اسلام پر مضبوطی سے جمتا ہی چلا گیا۔

فسادمیں مسلمانوں کو سہارا شدھی سنگھٹن کے دور میں مسلمانوں کی کامیابی سے متعصب غیر مسلم برافروختہ ہوگئے اور انھوں نے پورے صوبہ میں فساد کرکے جگہ جگہ مسلمانوں پر حملے کرائے اور انھیں تباہ و برباد کرکے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی، امارت شرعیہ اس موقع پر بھی مسلمانوں کی امداد کے لیئے آگے آئی۔ اور قانون کے دائرہ میں رہ کر اس نے مسلمانوں کی مدد کی، اور ان کی ہر طرح سے دلجوئی اور ہمدردی بھی کی۔ چنانچہ مقدمہ کی پیروی، اس کے اخراجات کی فراہمی، قانونی رہنمائی اور صبر و استقامت کی تلقین یہ ساری خدمتیں امارت شرعیہ نے بڑے

شغف سے انجام دیں، اللہ تعالیٰ نے ان تمام معاملات میں مسلمانوں کی لاج رکھی اور مسلمانوں کو اس طرح کے مقدمات میں کامیابی سے ہمکنار فرمایا،

ان فسادات میں بیلا بلاس پور، سوگولی، چھپیا اور رفتہ کے شدید بلوے بھی ہیں، جہاں امارت شرعیہ کے آدمیوں نے پہونچ کر مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور مقدمات کی پیروی کر کے مسلمانوں کو کامیاب کرایا۔

اسی طرح اُس زمانہ میں اضلاع دربھنگہ اور مظفر پور کے بھی مختلف دیہاتوں میں بقرعید کے موقع پر فسادات ہوئے، جن میں مسلمانوں کو قتل کیا گیا، ان کے گھروں کو لوٹا اور پھر جلایا گیا، امارت شرعیہ کے ذمہ داروں اور کارکنوں نے ان تمام مقامات پر پہونچ کر مسلمانوں کو سہارا دیا، مقدمات کی پیروی کی اور انھیں کامیاب کرایا۔

بتیا کا فساد اور امارت کی خدمت

شدھی سنگھٹن کے زمانہ میں سب سے بڑا اور مشہور فساد بتیا ضلع چمپارن میں ہوا۔ اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ ایک مکمل سازش کے تحت ۳ ر اگست ۱۹۲۶ء کو بتیا شہر میں غیر مسلموں کا ایک مسلح جلوس نکلا، جس میں چالیس پچاس ہزار ہندو شریک تھے، یہ جلوس اس محلہ میں گھس آیا، جس میں صرف مسلمان آباد تھے اور بطور خود کوئی بہانہ بنا کر پہلے مسجد کی بے حرمتی کی اور پھر پورے محلہ کو جلا ڈالا، اور اسی کے ساتھ شہر میں سیکڑوں مکانات اور دوکانیں لوٹ لی گئیں، بارہ مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کیا گیا اور سیکڑوں شدید طور پر زخمی ہوئے۔

جوں ہی اس کی خبر امارت شرعیہ پہونچی فوراً مفکر اسلام حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ

نائب امیر شریعت اپنے کارکنوں کے ساتھ بتیا پہونچے۔ پہلے ڈیفنس کمیٹی بنائی اس کا دفتر کھولا، اور یہاں بیٹھ کر مقدمہ کی پیروی اور قانونی چارہ جوئی میں منہمک ہو گئے، یہ انگریزوں کا دورِ حکومت تھا۔

نائب امیرِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کی خبر سن کر متعدد بیرسٹر صاحبان اور وکلاء بھی بتیا پہونچے اور انھوں نے حالات دیکھ کر قانونی مشورے دیئے۔ حضرت نائب صاحبؒ کا قیام اس مقدمہ کے سلسلہ میں مسلسل چھ ماہ بتیا میں رہا، اور جو مسلمان بلا قصور اُلٹے گرفتار کیئے گئے تھے ہائیکورٹ سے ان کی رہائی ہوئی، اور فریقِ مخالف کے پندرہ افراد کو چار سال سے لے کر دس سال تک کی سزا ہوئی، اڈیشنل پولیس کے اخراجات دونوں فریق پر عائد ہوئے اور مسلمانوں کے نقصانات کا معاوضہ پچاس ہزار روپے غیر مسلموں سے وصول کر کے حکومت نے انھیں دلوائے۔ اس کا خوشگوار اثر یہ ہوا کہ فسادیوں کی کمر ٹوٹ گئی اور ایک عرصہ کے لیئے فساد کا دروازہ بند ہو گیا اور اس طرح مسلمان احساسِ کمتری سے بھی محفوظ ہو گئے۔

ضلع مظفر پور اور دربھنگہ میں فساد

بتیا کے اس فساد کے بعد ہی موضع سمروارہ ضلع مظفر پور میں فساد ہوا جس میں ایک مسلمان شہید ہوا اور بہت سے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ لیا گیا، اسی آبادی کے قریب ایک دوسرے گاؤں سرسونہ ضلع دربھنگہ میں بقرعید کے موقع پر فساد ہوا جس میں مسلمانوں کو لوٹا اور مارا گیا، امارت شرعیہ کے ذمہ داروں نے یہاں بھی پہونچ کر مسلمانوں کی مدد کی اور مقدمات کی پیروی کی۔

ضلع سارن میں ارتداد سے توبہ

اسی زمانہ میں ضلع سارن (چھپرہ) میں بھاٹوں کو شدھی کرنے کی تحریک شروع ہوئی، امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات اور مبلغین اطلاع ملتے ہی فوراً وہاں پہونچے، کوئی دو سو بھاٹ مرتد ہو چکے تھے، تبلیغ کے ذریعہ پھر ان کو توبہ کرا کے دائرۂ اسلام میں داخل کیا اور دوسرے بھاٹوں کو اس لعنت سے محفوظ رکھا،

قبولِ اسلام اور ارتداد سے حفاظت

اس دور میں امارت شرعیہ کی جدوجہد اور تبلیغ اسلام سے متاثر ہو کر تین ہزار غیر مسلموں نے بھی اسلام قبول کیا اور تقریباً پچیس ہزار مسلمان ارتداد کی لپیٹ سے محفوظ ہو گئے، بلکہ ان میں استقامت کی شان پیدا ہو گئی۔

توہین رسالت پر احتجاج

راج پال نامی ایک آریہ نے "رنگیلا رسول" کے نام سے ایک دلآزار اور ناپاک کتاب لکھی، جس میں اُس نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی، مسلمانوں کے احتجاج پر حکومتِ پنجاب نے اس پر مقدمہ چلایا، مگر وہ ہائیکورٹ سے رہا ہو گیا۔ اس واقعہ سے ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک سخت اشتعال اور ہیجان پیدا ہو گیا، چنانچہ اس کے خلاف ملک بھر میں احتجاجی جلسے منعقد ہوئے، صوبہ بہار واڑیسہ میں ایسے تمام جلسوں کی رہنمائی امارت شرعیہ بہار نے کی، ان جلسوں میں حکومتِ ہند سے قانون میں ترمیم کا مطالبہ کیا گیا، تاکہ کسی مذہب کے ماننے والوں کی دلآزاری آئندہ نہ ہو سکے، مگر یہ ترمیم انگریزی حکومت نے اس وقت کی جب ایک غیرت مند نوجوان نے راجپال کو قتل کر ڈالا۔

ساردا بل اور امارت شرعیہ

۱۹۲۹ء میں "ساردا بل" کے نام سے ایک بل مسلم پرسنل لاء کے بالکل خلاف پاس ہوگیا، امارت شرعیہ نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نائب امیر شریعت نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اگر یہ بل منسوخ نہ کیا جائے تو وہ سول نافرمانی کریں، چنانچہ اس کے لیے ایک مجلس "تحفظ ناموس شریعت" کے نام سے قائم ہوئی، اور اس کے ناظم اعلیٰ حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ منتخب ہوئے، پھر پورے ملک میں اس بل کے خلاف جلسے کیئے گئے، صوبہ بہار واڑیسہ میں اس طرح کے سارے جلسے زیر سرپرستی امارت ہوئے، اور ہر جگہ سے وائسرائے ہند کو اس بل کے خلاف تار روانہ کیئے گئے۔

حکومتِ عثمانیہ کی امداد

خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کے تحفظ و بقا کے سلسلہ میں بھی امارت نے کافی حصہ لیا، بلکہ قائدانہ حصہ لیا، ترک حکومت کو دنیا کی طاقتیں کچل دینا چاہتی تھیں۔ یہ وقت اس کے لیئے بڑا نازک تھا، حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ اس معاملہ میں پیش پیش رہے اور پورے ملک سے ترکی کیلئے امداد کی اپیل کی، امارت شرعیہ نے اپنے صوبوں سے اس وقت بڑی گرانقدر رقم بطور امداد بھیجی۔

موپلاؤں کی امداد

ملک کی آزادی کی خاطر موپلا مسلمانوں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، اور یہ لوگ اس آزادی کی لڑائی میں بڑی تعداد میں شہید ہوئے ہیں، حکومتِ برطانیہ نے ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے، جب انگریزی دورِ حکومت میں ان کا بُرا حال ہوگیا اور ان کی بیوائیں اور بچے فاقوں سے دم توڑنے لگے

تو امارت شرعیہ نے اپنے یہاں ان کی امداد کے لیے ایک فنڈ کھولا اور اس کے ذریعہ ان کی کافی مدد کی اور ہزاروں روپیے بھجوائے۔

مسلمانانِ فلسطین کی حمایت

۱۹۳۰ء میں بالفور اسکیم سے فلسطین کے عرب مسلمانوں کو جو نقصان پہونچا وہ اب عیاں ہوچکا ہے، ابھی اسرائیلی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کے قائم کرنے کے لیے یہ بالفور اسکیم تیار ہوئی تھی، ہندوستان میں اس کے خلاف سخت احتجاج ہوا، صوبہ بہار و اڑیسہ کے بھی تمام شہروں اور قصبات میں امارت شرعیہ کی ہدایت پر احتجاجی جلوس نکالے گئے اور جلسے کیے گئے جس میں تمام مسلمانوں نے جوش وخروش سے حصہ لیا تھا۔

۱۹۳۶ء میں جب یہ خبر آئی کہ حکومت برطانیہ فلسطین کو تقسیم کرنا چاہتی ہے تو امارت شرعیہ نے اعلان کیا کہ پورے صوبہ میں ۲۰ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۳۶ء یوم جمعہ کو یوم فلسطین منائیں اور حکومت برطانیہ کے اس رویہ کے خلاف احتجاج کریں۔ اور ساتھ ہی مسلمانانِ فلسطین کے لیے دعا کریں، چنانچہ تمام مسلمانوں نے اس اپیل پر لبیک کہا اور یوم فلسطین منایا۔ یہ خاکسار کی طالب علمی کا زمانہ تھا اور مدرسہ وارث العلوم چھپرہ میں داخل تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس دن دعا کے لیے جو مضمون تیار کیا گیا وہ استاذ محترم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ، موجودہ نائب امیر شریعت نے لکھا تھا اور خاکسار نے صاف کیا تھا، اور چھپرہ جامع مسجد (صاحب گنج) میں اس کو مولوی محمد مکی صاحب نے اپنے خاص دردبھرے انداز میں بعد

نماز جمعہ پڑھاتا تھا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور سارے نمازی بلند آواز سے آمین کہہ رہے تھے، مسلمانوں پر گریہ طاری تھا، یہ منظر بھی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

حکومت وقت کے خلاف احتجاج

جب فلسطین پر انگریزوں کے مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے اور وہاں یہود بسائے جانے لگے تو اس وقت پھر امارت شرعیہ نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ پورے ملک میں اس کے خلاف احتجاج کریں اور اس کے لیے اس نے ۳ ستمبر ۱۹۳۷ء یوم جمعہ کی تاریخ مقرر کی، چنانچہ مسلمانان ہند نے پورے ملک میں اس دن جلوس نکالا اور جلسے کیے اور عرب فلسطین کی حمایت میں تقریریں کی گئیں۔ یہ خاکسار کی طالب علمی کا ابتدائی دور تھا، چھپرہ شہر میں اس تحریک کے بنیادی کارکنوں میں خاکسار بھی شریک تھا، ہم طلبہ مدرسہ وارث العلوم کی جدوجہد اور اساتذۂ کرام کے تعاون سے بہت بڑا جلوس نکلا، اس جلوس کی قیادت ہمارے اساتذہ حضرت الاستاذ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ اور محترم سید محمد قادری صاحب فرما رہے تھے، اسی جلوس سے خاکسار میں سیاسی شعور پیدا ہوا، اور جب تک یہ احساس ستانے نہیں لگا کہ اس زندگی میں تعلیم اور علم و عمل کا کافی نقصان ہے، ان ہنگاموں سے دلچسپی لیتا رہا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد مسلمان نوجوانوں میں پہلا سا جوش و خروش اور عزم و حوصلہ قطعاً باقی نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ان سے سارا جذبۂ عمل سلب کر لیا ہو۔

عقدِ بیوگان کی سعی

ہندوستان میں ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جب یہاں کے مسلمان بھی بعض غلط مشرکانہ مراسم سے متاثر تھے۔ مثلاً عورتوں کے لیۓ عقدِ ثانی کو بہت معیوب سمجھتے تھے، بہار واڑیسہ میں بھی یہ عیوب موجود تھے، امارتِ شرعیہ نے اس رسمِ بد کے خلاف بھی جھنڈا بلند کیا اور چل پھر کر ذمہ دارانِ امارت، بیوہ عورتوں کی شادی کرانے لگے۔ ضلع چمپارن میں عقدِ بیوگان کو اور زیادہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے موضع تبیا کے ایک سربرآوردہ شخص شیخ شمس الدین صاحب کا نکاح ان کی بیوہ بھابی سے ہوا، اس کا پورے علاقہ پر بڑا اچھا اثر ہوا، اور یہاں بھی عقدِ بیوگان کا رواج چل پڑا، اور امارتِ شرعیہ کی برکت سے پھر ایک دفعہ یہ سنت زندہ ہوئی اور ایک رسمِ بد مٹی۔

فضول خرچی کی روک تھام

اسی طرح بہار میں شادی کے موقع سے بے جا اور فضول خرچی کا عام رواج تھا، حد یہ ہے کہ لوگ جائداد گروی رکھ کر اور قرض لے کر بڑی بڑی رقمیں بے دریغ خرچ کرتے تھے، اور نہ معلوم کتنے خاندان اس رسمِ بد کی وجہ سے تباہ وبرباد ہو چکے تھے۔ امارت شرعیہ نے اس رسم بد کے مٹانے کے لیۓ بھی بڑی جد وجہد کی۔ اور سادہ انداز میں سنت کے مطابق شادی کی تبلیغ کی۔ اور بلاشبہ مسلمانوں نے اس کا اچھا اثر لیا۔

بہار میں زلزلہ کی تباہی

۱۵ر جنوری ۱۹۳۴ء مطابق ۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ یوم دوشنبہ کو بہار میں بڑا خوفناک اور ہیبت ناک زلزلہ

آیا، اور یہ زلزلہ اپنے ساتھ بڑی تباہی وبربادی لایا، ہزاروں مکانات مسمار ہوگئے اور نہ معلوم کتنے انسان ان مکانوں کی چھتوں اور دیواروں کے نیچے دب کر مر گئے، زمین شق ہوگئی اور پانی کے چشمے پھوٹ پڑے، اس وقت انسانوں کی سراسیمگی کا عجب عالم تھا، خصوصی طور پر اضلاع مونگیر، دربھنگہ، مظفرپور، چمپارن اور سارن بہت متأثر ہوئے۔

امارت کی خدمات

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے اس موقع پر بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں، آج اس کی مثال شاید نہ مل سکے۔ نائب امیر شریعت حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس خدمت کے لئے وقف ہو کر رہ گئے تھے، اور آپ کے ساتھ امارت کے سارے کارکنان اور بہی خواہ کام کر رہے تھے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں امارت کے آدمی پہونچے، اور لوگوں کو سہارا دیا، اُس دور میں بیت المال امارت شرعیہ سے ایک لاکھ روپے مصیبت زدہ لوگوں میں تقسیم ہوئے، علماء ملت نے اپنے سروں پر مٹی اٹھائی، غریبوں کے گھر بنوائے، اس حادثے میں جو بچے یتیم ہوگئے تھے، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔

بعض دیہاتوں میں تعاون باہمی کی اسکیم رائج کی گئی، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک آبادی کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، اور ہر حصہ والے سے کہا جاتا تھا کہ یہ سب مل کر یکے بعد دیگرے ایک ایک شخص کا مکان تعمیر کریں اور ہر شخص اپنی وسعت بھر اس میں حصہ لے۔ خود نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں عام باشندگان کے ساتھ حصہ لیتے تھے اور مزدوروں

کی طرح کام کرتے تھے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ کم خرچ میں بہت سارے مکانات تعمیر ہو گئے، اور کوئی غریب ایسا باقی نہ رہنے پایا جس کا گھر نہ بن گیا ہو۔

جس وقت زلزلہ شروع ہوا حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ بتیا اسٹیشن پر تشریف فرما تھے، یہ کوئی سوا دو بجے دن کا وقت تھا۔ آپ اپنے ساتھ ہمیشہ ایک لاٹھی رکھتے تھے۔ چنانچہ جوں ہی احساس ہوا، آپ اس کو زمین پر ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور اللہ اللہ کہنے لگے، اور دوسرے لوگوں سے بھی فرمایا کہ وہ سب بھی اللہ اللہ کہیں، چنانچہ مسلمان ہندو سبھوں کی زبان سے اللہ اللہ کی آواز بلند ہونے لگی، جب زلزلہ رُکا تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک بار جب زلزلہ آیا تھا تو آپؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا کہ اپنے عصائے مبارک کو زمین پر رکھ کر دبایا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اس نے رحم فرمایا۔ اس وقت میں نے بھی اسی سنت پر عمل کیا ہے۔

۱۹۳۶ء کا الیکشن اور امارت شرعیہ

ایکٹ ۱۹۳۵ء کے مطابق جب ۱۹۳۶ء میں بہار اسمبلی کا الیکشن ہونے لگا، تو امارت شرعیہ نے تجربات کی روشنی میں محسوس کیا کہ مسلمان ممبرانِ اسمبلی (جو عموماً جدید تعلیم یافتہ ہوتے تھے) اسلام اور اسلامی حقوق کا لحاظ و پاس جیسا چاہیے نہیں کرتے ہیں، بلکہ یہاں بھی اپنے ذاتی مفاد کو مقدم رکھتے ہیں، لہٰذا اس نے طے کیا کہ اسمبلی کے امیدوار مسلمانوں سے پہلے عہد لیا جائے کہ وہ وہاں مذہبی معاملات میں امارت کی رہنمائی قبول کریں گے، پھر اس کے بعد امارت ان کی تائید کرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، عہد نامہ کی خانہ پُری کے بعد ہی امارت نے مسلمانوں سے انھیں ووٹ

دینے کی درخواست کی، یہ واضح رہے کہ اُس زمانہ میں جداگانہ انتخاب تھا، یعنی مسلمان ممبروں کو مسلمان ووٹ دیتے تھے اور غیر مسلم ممبروں کو غیر مسلم،

امارت نواز پارٹی کی وزارت اور اُردو کا اجراء

چنانچہ اس الیکشن میں اکثریت ان مسلمان ممبروں کی آئی، جن کی امارت شرعیہ نے تائید کی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہار میں پہلی وزارت انہی لوگوں کی بنی، اس لیئے کہ کانگریس نے وزارت بنانے سے بعض بنیاد پر انکار کر دیا تھا۔

اس وزارت کی قیادت باہر سے حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے اور اسمبلی کے اندر پارٹی کے لیڈر مسٹر محمد یونس صاحب بیرسٹر تھے، وزیر اعلیٰ یہی تھے، یہ وزارت گو صرف تین مہینے رہ پائی، مگر اس نے امارت شرعیہ کے مشورہ سے بہار کی کچہریوں اور دفتروں میں اردو رسم الخط کے اجراء کی تجویز پاس کر دی اور یکم جون ۱۹۳۷ء سے اس بل کے نفاذ کا حکم بھی دے دیا۔ چنانچہ اس طرح اردو سرکاری دفتروں میں قانوناً رائج ہو گئی۔

ساڑھے تین ماہ بعد وزارت پر کانگریس آگئی، جنگ آزادی میں امارت اس کے ساتھ تھی مگر اسلامی حقوق میں کانگریس سے اس کا ٹکراؤ بھی ہوتا رہتا تھا، اس طرح کے معاملات میں امارت شرعیہ نے کبھی مداہنت نہیں کی --- بلکہ بعض مسائل میں کانگریس سے جم کر لڑی اور ان مسلمان ممبران اسمبلی کو بھی اس طرح کے معاملات میں ساتھ دینے پر مجبور کیا، جن کی امارت نے الیکشن میں حمایت کی تھی۔

زرعی انکم ٹیکس اور اوقاف

چنانچہ اس سلسلے میں براہ راست پہلی ٹکر زرعی انکم ٹیکس

بل پر ہوئی، اس لیے کہ کانگریسی وزارت نے مسلم اوقاف کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ نہیں کیا تھا۔

حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نائب امیر شریعت نے اعلان کیا کہ اوقاف ایک مذہبی چیز ہے، اس وجہ سے اوقاف کی آمدنی پر ٹیکس کا قانون عائد کرنا درست نہیں ہے، کانگریسی وزارت بضد تھی کہ اوقاف پر بھی ٹیکس لگ کر رہے گا، حضرت نائب امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ نے اُن مسلمان ممبران اسمبلی کو بل کی مخالفت کی ہدایت کی، جو امارت شرعیہ کی حمایت سے کامیاب ہو کر اسمبلی میں پہنچے تھے، موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ بھی اُس وقت اسمبلی کے ایک نوجوان ممبر تھے، انھوں نے اسمبلی حال میں اس بل کے خلاف مدلّل، پُرجوش اور موثر و سنجیدہ تقریر کی، اور اسلامی نقطۂ نگاہ کی بہت عمدہ ترجمانی فرمائی، جس سے پورا ہاؤس متاثر ہوا، اور اس تقریر کا وزن محسوس کیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس وقت وہ بل ملتوی رکھا گیا، ادھر نقیب اخبار برابر اسلامی اوقاف کی اہمیت پر مضامین لکھ رہا تھا، اور حضرت نائب صاحبؒ کے بیانات شائع کر رہا تھا۔

بالآخر ۲۹ر اپریل ۱۹۳۸ء کو کانگریس کی طرف سے بطور حَکَم حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ پٹنہ تشریف لائے، آپ کانگریس پارلیمنٹری بورڈ کے رکن بھی تھے، چنانچہ اس بل پر حضرت نائب امیر شریعت اور ممبران اسمبلی سے گفتگو کی، اس گفتگو میں موجودہ امیر شریعت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ،

اور مسٹر خلیل احمد ایڈوکیٹ (جو بعد میں اڑیسہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہو کر ریٹائر ہوئے) شریک تھے،

نائب صاحبؒ نے مولانا آزادؒ کے سامنے اوقاف کی شرعی حیثیت پیش کی۔ اس بحث و تمحیص کے بعد اوقاف کو اس ٹیکس سے مستثنیٰ کرنا منظور کر لیا گیا اور اس طرح یہ اختلاف ختم ہو گیا۔

جبری تعلیمی اسکیم میں مذہبی تعلیم کی بحث

کانگریسی ہی وزارت کے دور میں پہلی مرتبہ ہندوستان میں جبری تعلیم کی اسکیم آئی، اس میں مذہبی تعلیم کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی، امارت شرعیہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مذہبی تعلیم ضروری ہے لہٰذا اسکیم میں اس کی صراحت ہونی چاہیے، اس سلسلہ میں کافی بحث رہی، مگر آخر میں ڈاکٹر سید محمود صاحب مرحوم نے جو اس زمانہ میں وزیر تعلیم تھے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا اور کارکنوں اور ذمہ داروں کے ایک جلسہ میں اعلان فرمایا:۔

> ”ہمارے مخدوم مولانا سجاد صاحب کو سخت اعتراض ہے کہ اس میں مذہبی تعلیم نہیں ہے۔ حضرت مولانا کے کہنے پر میں نے مذہبی تعلیم کی اجازت دے دی ہے اور اصولاً میں نے مذہبی تعلیم کی ضرورت کو تسلیم کر لیا ہے۔“
>
> (اسلامی روایات اور سیاسی تحریکات ص۲۴۶)

دیہات سدھار اسکیم کی اصلاح

اسی طرح جب دیہات سدھار اسکیم میں ”گاندھی ازم“ کا ذکر آیا تو امارت شرعیہ نے اس کی بھی کھل کر مخالفت کی، اور اس سلسلہ میں بھی ڈاکٹر سید محمود صاحب مرحوم نے بحیثیت وزیر تعلیم اعلان کیا کہ

"دیہات سدھار کی اسکیم پر بھی حضرت مولانا سجاد صاحب کو اعتراض ہے کہ اس کے ذریعہ گاندھی ازم کی اشاعت ہوگی، تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ گاندھی ازم کا ذکر دیہات سدھار اسکیم میں غلطی سے آگیا تھا، حضرت مولانا کے توجہ دلاتے پر اس کو نکال دیا گیا اور گاندھی ازم کی اشاعت ہرگز نہیں ہوگی"۔
(ایضاً)

حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعلان پر ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا:۔

"آپ نے مذہبی تعلیم کی ضرورت واہمیت کو اصولاً تسلیم کرلیا امید ہے کہ وہ اس کی اہمیت کی بناء پر مسلمانوں کے لیئے اس کو جلد ہی لازم بھی قرار دیں گے، دیہات سدھار سے گاندھی ازم کے اخراج پر بھی آپ نے شکریہ ادا فرمایا"۔ (ایضاً)

کانگریسی دورِ وزارت میں مسئلہ قربانی

اسی دورِ وزارت میں قربانی کا مسئلہ بھی سامنے آیا، کچھ ذمہ دار کانگریسیوں کی رائے تھی، کہ مسلمان گائے کی قربانی بند کردیں۔ مولانا آزاد کانگریسی وزارت کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں ایک مرتبہ پٹنہ پہونچے، ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم کی کوٹھی میں قیام تھا۔ حضرت مولانا سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کام سے ملنے آگئے۔ آپ کی مولانا آزادؒ سے ابھی گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ریاست بہار کے تمام وزراء (جن کی تعداد اس وقت صرف چار تھی) ڈاکٹر راجندر پرشاد (سابق صدر جمہوریہ ہند) کے ساتھ مولانا آزادؒ

سے کسی مسئلہ پر گفتگو کرنے پہونچ گئے۔ جب مولانا آزادؒ کو اس کی اطلاع ہوئی کہ ڈاکٹر راجندر پرشاد اور وزراء ملنے آئے ہیں تو تھوڑی دیر بعد آپ نے نائب صاحب سے فرمایا۔ آپ ابھی تشریف رکھیں، میں آنے والوں سے مل کر آتا ہوں، یہ کہہ کر وہاں سے ان حضرات کے پاس آگئے، یہ حضرات بقرعید کے موقع پر امن وامان کے مسئلہ سے متعلق مولانا آزادؒ سے مشورہ کرنے آئے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ مسلمان بطور خود گائے کی قربانی چھوڑ دیں اور مولانا آزادؒ اس سلسلے میں ان کی مدد کریں، چنانچہ مولانا آزادؒ نے حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کو بھی (جو دوسرے کمرہ میں موجود تھے) اسی مجلس میں بلالیا، نائب صاحبؒ نے قربانی گاؤ کے سلسلہ میں برجستہ فرمایا:۔

> ”کانگریس اور حکومت کو اس باب میں اس وقت کوئی نئی چیز سوچنے کی حاجت نہیں ہے۔ مدراس کانگریس کا فیصلہ موجود ہے، اب صرف اسی کے مطابق عمل کرنا اور کرانا ہے اور رکاوٹوں کو دور کرنا ہے۔
>
> (دیکھئے اصلاحی روایات اور سیاسی تحریکات ص۲۹)

کانگریس کے سالانہ اجلاس مدراس میں ایک واضح تجویز منظور ہوچکی تھی کہ وہ ہر جگہ اپنے مکان میں گائے ذبح کریں، مولانا کا اشارہ اسی طرف تھا۔

غیر منصفانہ روش کی شکایت

حضرت مولانا عثمان غنی صاحب مدظلہ (سابق ناظم امارت شرعیہ) نے لکھا ہے کہ دو واقعات کا علم کم لوگوں کو ہوگا۔

”ایک یہ کہ مولانا سجاد رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کے معاملات

میں کانگریسی حکومت کی غیر منصفانہ روش اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کی غفلتوں اور غلطیوں کے متعلق ایک تحریر مرتب فرمائی تھی، جس کو مکتوب کی شکل میں گاندھی جی، بابو راجندر پرشاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور حضرت مولانا ابو الکلام آزاد کو بھیجدیا تھا، دوسرا مکتوب جنگ کے متعلق ہزایکسلنسی وائسرائے ہند کے نام بھیجا تھا، جس میں موجودہ جنگ (عظیم سنہ ۱۹۳۹ء) کے متعلق شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت فرمائی تھی۔"

(دیکھئے حیات سجاد ص۱۴۵)

وار دھا تعلیمی اسکیم پر اعتراض

سنہ ۱۹۳۷ء میں جب کانگریس نے پہلی مرتبہ وزارت کی کرسی سنبھالی تو اس نے جہاں بہت سی مفید خدمتیں انجام دیں، وہیں اس سے بہت سی غلطیاں بھی ہوئیں اور اس نے ایسی چیزوں کے لانے کی سعی کی، جو مسلمانوں کے لیے مضر تھیں، اسی طرح کی چیزوں میں ایک "وار دھا تعلیمی اسکیم" بھی تھی، اس پر اس وقت سب سے زیادہ سنجیدہ اور مدلل نکتہ چینی امارت شرعیہ نے کی اور اسکیم کی خامیوں اور غلطیوں کی کھل کر نشاں دہی کی۔

اوقاف بل اور امارت شرعیہ

بہار اسمبلی میں سب سے پہلے اوقاف بل امارت شرعیہ نے مسٹر محمد یونس صاحب مرحوم کے ذریعہ پیش کیا، تاکہ مسلمانوں کے اوقاف کا تحفظ ہوسکے اور اس کی آمدنی وقف ناموں کی صراحت کے مطابق خرچ ہو، اس کے بعد حکومت نے خود سعی کی کہ وہ بل اس کی طرف سے آئے، چنانچہ ڈاکٹر سید محمود صاحب وزیر تعلیم نے اسے مرتب کیا، اور اسمبلی میں

پیش کیا، مگر اس میں مذہبی نقطۂ نگاہ سے بہت کچھ خامیاں تھیں، امارت شرعیہ نے اپنے مسلمان ممبران اسمبلی کے ذریعہ اس میں ضروری ترمیمیں پیش کیں، بل پر غور کرنے کے لیئے جو سلکٹ کمیٹی حکومت نے بنائی اس میں اس نے موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ کو بھی امارت کے نمائندہ کی حیثیت سے رکھا، مولانا موصوف اُس وقت بہار اسمبلی کے ممبر تھے۔

انفساخ نکاح مُسلم بل

نکاح، طلاق، فسخ نکاح اور تفریق زوجین کے سلسلہ کے مقدمات سرکاری عدالتوں میں غیر شرعی طور پر فیصل ہوتے تھے، اس کا ایک حل امارت شرعیہ نے دارالقضاء کی شکل میں تلاش کیا جس کی تقلید اب پورے ملک میں ہو رہی ہے اور امارت شرعیہ اس سلسلہ میں ان سب کے ساتھ بھرپور تعاون بھی کر رہی ہے، بلکہ دوسرے صوبوں سے علماء آکر دارالقضاء میں تجربہ حاصل کر رہے ہیں۔ مگر اُس وقت ملک کے دوسرے حصوں میں دارالقضاء کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا۔

اُس دور میں کچھ ایسے مسلمان بھی تھے جو سرکاری عدالتوں کے ذریعہ اس طرح کے مقدمات کا فیصلہ کرانے کی سعی کرتے تھے اور پھر یہی فیصلہ کبھی کبھی نافذ بھی ہوتا تھا، اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو سکتا تھا کہ وہ معصیت میں مبتلا ہوں اور ان کی نسلیں خراب ہوں، اس لیۓ امارت شرعیہ نے چاہا کہ کسی طرح سرکاری عدالتوں میں یہ اسلامی طریقہ بذریعہ قانون رائج ہو جائے،

چنانچہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے " انفساخ نکاح مسلم"

کے نام سے ایک بل مرتب فرمایا اور اسے اخبارات میں شائع کرایا اور جمعیۃ علماء ہند اور دوسرے مسلمان قانون دانوں کو توجہ دلائی کہ وہ اسے پارلیمنٹ سے منظور کرانے کی جدوجہد کریں، اور خود بھی اس سلسلہ میں کافی سعی فرمائی۔

نظارت امور شرعیہ

اسی زمانہ ۱۹۳۹ء میں امارت شرعیہ نے "نظارت امور شرعیہ" کا مسودہ تیار کرکے چھپوایا، اور اسے ملک کے تمام علماء، مشائخ اور دانشوروں کی خدمت میں بھیجا اور اس سلسلہ میں ان کی رائے معلوم کی۔

اس اسکیم کا ماحصل یہ تھا کہ تمام صوبائی حکومتوں میں ایک مخصوص عہدہ "ناظر امور شرعیہ" کا منظور کیا جائے جس کی حیثیت دوسرے محکمہ جات کے ڈائرکٹروں کی سی ہو، اور اس عہدہ پر کسی ایسے مسلمان کا تقرر ہو، جو مسائل و احکام دین سے اچھی طرح واقف ہو، اور یہ ناظر کسی مسلمان وزیر کے تحت کام انجام دے۔

ناظر امور شرعیہ کا کام یہ بتایا گیا تھا کہ وہ مسلم اوقاف، تقرر قضاۃ، اور مسلمانوں سے متعلق دوسرے مخصوص قانون میں حکومت کو صحیح مشورہ دے گا اور حکومت اس مشورہ کو قبول کرے گی، تاکہ مسلم پرسنل لاء محفوظ رہ سکے اور مسلمان مطمئن، اس ناظر کے لیے ذی علم، اہل الرائے اور دیندار علماء کی ایک مجلس شوریٰ بھی ہو، اور یہ سب مل کر پہلے مسلمانوں کے مخصوص مقدمات جیسے نکاح، طلاق، فسخ نکاح اور میراث وغیرہ کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں ایک ضابطہ تیار کریں گے اور حکومت اسے منظور کرے گی، تفصیل کے لیے اس نام سے جو رسالہ چھپا تھا اس کا مطالعہ کیا جائے۔

آتش زدگی اور سیلاب کے موقع پر امارت کی امداد

امارت شرعیہ نے اپنی زندگی کے ہر دور میں اُن لوگوں کی بھی مدد کی جو آتش زدگی یا سیلاب کی وجہ سے صوبہ کے کسی حصہ میں پریشان ہوئے اور مصیبت میں گرفتار ہوئے، پھر اسی کے ساتھ جدوجہد کر کے اس نے حکومتِ وقت سے بھی امداد دلوائی۔

بہار کا ہولناک فساد

ابھی انگریزی حکومت باقی ہی تھی کہ ۱۹۴۶ء میں بہار کا سب سے زیادہ ہولناک فساد ہوا جس میں فرقہ پرست غیر مسلموں نے مسلمانوں کی سیکڑوں آبادیاں ویران کر ڈالیں، کتنے گاؤں سے ان کا نام ونشان تک مٹا ڈالا، بیس سے چالیس ہزار تک مسلمان اس فساد میں شہید ہوئے۔ امارت شرعیہ نے اس انتہائی نازک وقت میں دنیائے انسانیت کو آواز دی، بلکہ انصاف پسند غیر مسلموں کو بھی دعوتِ نظارہ دی تاکہ آکر مظلوم وبے کس مسلمانوں کا حال زار دیکھیں، اس آواز پر گاندھی جی نواکھالی سے چل کر بہار پہونچے۔ پٹنہ میں ڈاکٹر سید محمود وزیر تعلیم کے یہاں قیام کیا اور خود تمام حالات کا مشاہدہ کیا۔

امارت شرعیہ نے دن رات اس سلسلہ میں کام کیا اور پریشان حال لوگوں کی مالی، قانونی اور اخلاقی مدد کی، اور دوبارہ بسانے اور آباد کرنے میں بھرپور حصہ لیا۔

خاکسار تحریک کے سلسلے میں خدمت

انگریزی حکومت میں مسلمانوں کے اندر خاکسار تحریک کا فتنہ اٹھا اور علامہ مشرقی نے مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہا، اس وقت بھی امارت شرعیہ سامنے آئی اور اس نے مسلمانوں کے عقائد واخلاق کی حفاظت کے لیے جدوجہد کی۔

ڈاوری بل سے مسلمانوں کا استثنار

انگریزی دورِ حکومت میں جب صوبہ جات میں کانگریسی وزارتیں قائم تھیں، بہار اسمبلی میں "ڈاوری بل" کے نام سے ۱۹۳۹ء میں ایک بل پیش ہوا جس میں مہر اور جہیز تک کو جرم قرار دیا گیا تھا، امارت شرعیہ نے اس کے خلاف بھی آواز بلند کی۔ مجلس قانون ساز سے باہر حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آواز اٹھائی، بیانات دیئے، کانگریسی ذمہ داروں اور پارلیمنٹری بورڈ کے ارکان کے نام خطوط بھیجے، اور مجلس قانون ساز کے اندر موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ نے بحیثیت ممبر اسمبلی امارت شرعیہ کی نمائندگی کی، بل میں ضروری اور مفید ترمیمیں پیش کیں، اس بل سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کرنے کے لیے پُر زور اور مدلل تقریریں کیں۔ آپ نے اپنی تقریروں میں ثابت کیا کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو جہیز دینا جائز ہی نہیں بلکہ سنت ہے۔

بالآخر امارت شرعیہ کی سعی و کاوش نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ اور "ڈاوری بل" سے مسلمان مستثنیٰ کر دیئے گئے۔ اور قانون میں اس دفعہ کا اضافہ ہوا کہ اس کا اطلاق صرف ہندوؤں پر ہوگا۔

مسٹر محمد علی جناح کے نام خط

انگریزی دورِ حکومت میں جب ہندوستانی نمائندوں کے ذریعہ قانون ساز اداروں میں قوانین بننے لگے، تو اس موقع سے روشن خیال لوگوں نے اسلامی احکام و مسائل کو پیش نظر نہیں رکھا، اور نہ اس کی کوئی پرواہ کی کہ یہ قوانین اسلامی روح کے مطابق ہیں یا مخالف۔

نائب امیر شریعت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس نزاکت کو محسوس فرمایا، اور پورے ملک کے مسلمانوں کو بیدار کرنے کی جد وجہد کی، ذمہ داروں کو جھنجھوڑا، اس سلسلہ میں مسلم لیگ کے سربراہ مسٹر محمد علی جناح مرحوم کو بھی ایک خط لکھ کر اس طرف متوجہ کیا کہ وہ بحیثیت صدر مسلم لیگ اپنی جماعت کے ذریعہ اسلامی حقوق ومفاد کی نگہداشت رکھیں، آپ کا خط "اسلامی حقوق اور مسلم لیگ" کے نام سے اُس وقت چھپ گیا تھا، وہ موجودہ حالات میں بھی پڑھنے کے لائق ہے،

کانگریسی وزارت میں ہندو مسلم فساد، اور امارت کی خدمات

۱۹۳۷ء میں جب پہلی دفعہ کانگریسی وزارت قائم ہوئی تو اس زمانہ میں بھی متعدد جگہ ہندو مسلم فسادات ہوئے، جس میں مسلمانوں کو نقصان پہونچا۔ امارت شرعیہ نے تحقیقات کے لیے ان جگہوں میں بھی بروقت اپنے آدمی بھیجے، اور رپورٹ تیار کرائی، پھر ان کی قانونی اور مالی امداد کی،

نیا گاؤں ضلع مظفر پور کے مظلوم مسلمانوں کی قانونی مدد کے لیے ایک مشہور بیرسٹر کو حکومت کی طرف سے مقرر کرایا، جنھوں نے سشن عدالت اور ہائی کورٹ میں مسلمانوں کی طرف سے کام کیا،

گیا کے فساد کے موقع پر خود ناظم صاحب امارت شرعیہ وہاں تشریف لے گئے اور قانونی کارروائی کی۔ اور جد وجہد کے بعد مسلمانوں کو نقصانات کا تاوان دلایا۔

نائب امیر شریعت کا ارشاد اور مسلمانوں کی بے توجہی

نائب امیر شریعت حضرت

مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دور اندیش، معاملہ فہم اور معمارِ قوم تھے۔ ۱۹۳۸ء میں ایک مجلس کے اندر سیاستِ حاضرہ پر آپ گفتگو فرما رہے تھے آپ نے اثنارِ گفتگو میں فرمایا:۔

میں مسلمان زمینداروں سے کہتا ہوں کہ وہ اُن بکھرے ہوئے مسلمانوں کو یکجا آباد کرنے کی سعی کریں۔ جو چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں منتشر ہیں، اس سے خود ان زمینداروں کو بھی فائدہ ہوگا اور آکر بسنے والے مسلمانوں کو بھی، مگر میری یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ:۔

انگریزوں کو اس ملک سے جانا ہے۔ مگر ان کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد بڑا نازک وقت آئے گا، یہاں بڑی کشمکش ہوگی، بڑے پیمانے پر خوں ریزی بھی ہوگی، اُس وقت مسلمان جہاں تھوڑی تعداد میں ہوں گے ان کا بچنا مشکل ہو جائے گا، اگر یہ اس وقت ایک جگہ جمع ہو کر بڑی بڑی آبادیاں بنالیں گے تو آئندہ یہ قلعہ کا کام دیں گی، خود یہ زمیندار گھرانے بھی محفوظ ہو جائیں گے اور یہ بکھرے ہوئے غریب و مفلس مسلمان بھی۔ گو ابھی یہ بات ذہن نشین نہیں ہوتی مگر انھیں دیر سویر پچھتانا پڑے گا، اور پھر یہ موقع بھی میسر نہیں ہوگا جو آج حاصل ہے۔ زمیندار مفت زمین دیتے ہوئے گھبراتے

ہیں اور عوام اپنی آبادی سے جدا ہونا برداشت نہیں کرتے، مگر نہ زمینداروں کی زمینداری رہے گی اور نہ ان بکھرے ہوئے تھوڑے تھوڑے مسلمانوں کے جان و مال کی کوئی گارنٹی۔

ان باتوں کو ۱۹۳۸ء میں اچھے اچھوں نے کوئی اہمیت نہیں دی مگر ۱۹۴۶ء میں جب بہار میں فساد ہوا، اور چھوٹی چھوٹی آبادیاں جلنے اور اجڑنے لگیں اور بہت سے زمیندار گھرانے برباد ہوئے، اُس وقت اندازہ ہوا کہ افسوس امارت شرعیہ نے کتنی دوراندیشی کا ثبوت دیا تھا، کاش مسلمان امارت شرعیہ کی ان اچھی باتوں پر دھیان دیتے تو یقیناً آج وہ بہت ساری مصیبتوں سے محفوظ و مامون ہوتے، افسوس یہ ہے کہ اب بھی مسلمانوں کی آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں۔

مدح صحابہؓ اور امارت

حضرت مولانا سجاد صاحب کو خداداد بصیرت حاصل تھی، لکھنؤ میں مدح صحابہؓ کے مسئلہ پر جب ایجی ٹیشن شروع ہوا تو امارت شرعیہ نے اس میں بھی حصہ لیا، اور حضرت مولانا سجاد صاحبؒ ایک خصوصی مشیر کی حیثیت سے شریک رہے۔

اس وقت ایسا جوش تھا کہ ایک دن ایجی ٹیشن (سول نافرمانی) کے دوران عورتوں کی طرف سے تحریریں آنی شروع ہوئیں کہ اس میں ہم عورتوں کو بھی عملی حصہ لینے کی اجازت دی جائے، بعض تحریروں میں صحابیات کی شرکت غزوات سے استدلال بھی درج تھا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کا بیان ہے:۔

"حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ اُس دن جلسہ کے صدر تھے، راقم الحروف سے فرمایا، لاؤڈ اسپیکر کے پاس جاکر تم اس خط کا میری طرف سے زبانی جواب دے دو اور ان بہنوں کو بتا دو کہ ابھی تو ہم لوگ باقی ہیں، جب تک ہم میں سے ایک بھی موجود ہے یہ گوارہ نہیں ہو سکتا کہ آپ اس راہ میں کوئی تکلیف اٹھائیں، میں چلنے لگا تو حضرت (نائب) امیر صاحب مرحوم نے فرمایا، اس کے ساتھ مستورات کو یہ بھی سمجھا دینا کہ "حرب سلمی" (سول نافرمانی) اور تلوار کی جنگ کے احکام شریعت میں جداگانہ ہیں، تلوار کی لڑائی میں تو خاص حالات میں عورتوں کے لیئے شرکت کا موقع ہو جاتا ہے، مگر یہ آئینی جنگ (سول نافرمانی) جسمیں اپنے آپ کو گرفتار کرایا جاتا ہے، اس میں شرکت کا عورتوں کے لیئے کوئی موقع نہیں ہوتا، بلکہ شرعاً ان کے لیئے ناجائز ہے کہ وہ اپنے کو غیر آدمیوں کے ہاتھوں میں گرفتار کرا کے قید خانہ جائیں، لہٰذا ان بہنوں کا جذبہ قربانی تو قابلِ قدر ہے، لیکن سول نافرمانی میں عملی شرکت کے خیال کو قطعی طور پر دل سے نکال دیں، ان کے حق میں یہ معصیت اور خدا کی نافرمانی کا باعث ہوگا۔"

(محاسنِ سجاد صلا)

ملک کی آزادی کے بعد فسادات کا سلسلہ

ملک کی آزادی میں خود امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور دوسرے مسلمان رہنماؤں نے قائدانہ حصہ لیا تھا،

اس سلسلہ میں بڑی اذیتیں برداشت کی تھیں، اور ایثار و قربانی کی ہر رسم بخوشی ادا کی تھی، مگر جب ملک ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا، تو ملک کی تقسیم کی وجہ سے صورتِ حال بالکل بدل گئی، اور بلاشبہ مسلمانوں کو آزادی کے ابتدائی دور میں بڑی آزمائش سے گذرنا پڑا، نئے نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے، اور مسلمانوں کے لیے یہاں رہنا مشکل ہوگیا۔

فتنہ و فساد کا ایک نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا، سیکڑوں فسادات ہوئے اور بہت سی بے گناہ جانیں تلف کی گئیں، ہزاروں مکانات جلائے گئے اور ان کے کاروبار کو لوٹا۔ اور تباہ و برباد کیا گیا پھر مقدمات کا بھی سلسلہ شروع ہوا، مظلوم و نہتے مسلمان جیل خانوں میں ڈالے گئے، یہ داستان لمبی ہے۔

امارت کی خدمات امارت شرعیہ اور اس کے کارکنوں نے ان تمام موقعوں پر اپنا فرض ادا کیا اور مسلمانوں، مظلوم انسانوں کو جیسی اور جس قدر بھی مدد پہونچا سکتے تھے، مدد پہونچائی۔ مقدمات کی پیروی کی، ریلیف کا انتظام کیا، اور اجڑے ہوئے مسلمانوں کو دوبارہ بسانے کی کوشش کی، خود امیر شریعت حکومت کے ذمہ داروں سے بھی ملے اور مظلوم مسلمانوں سے بھی۔

سیتامڑھی، آخنہ، رانچی، راوڑکیلا، جمشید پور، بلسنڈ، سورسنڈ، کلکتہ جبل پور، احمد آباد، بھیمڑی، تینو گھاٹ، ہزاری باغ، آوا پور، کھڑایاں پتھرا، اور ملک کے دوسرے حصوں میں سیکڑوں فسادات ہوئے، امارت شرعیہ نے ہر جگہ بروقت پہونچنے کی سعی کی اور پہونچی، اپنی وسعت بھر مظلوموں کی مالی مدد

بھی کی اور مقدمات کی پیروی میں حصہ بھی لیا۔

آپ اپنی حفاظت کا نعرہ رانچی کے فساد کے بعد موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ نے پٹنہ میں مسلمان سربرآوردہ لوگوں کا ایک بڑا اجتماع کیا اور اس میں ان مسائل پر پوری دور اندیشی سے غور کیا۔ اور ایک جرأت مندانہ تجویز مرتب کر کے اس کی منظوری حاصل کی، اور پھر اسے اخبارات میں شائع کرایا، اپنا خیال ہے کہ اس تجویز نے مسلمانوں میں بے پناہ خوداعتمادی پیدا کر دی اور ان میں خوف وہراس کی جگہ عزم واستقلال اور مرثیہ خوانی کے بجائے دستور اساسی ہند کی روشنی میں عزت وآبرو کے ساتھ جینے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔

رپورٹ فسادات اور امارت شرعیہ امارت شرعیہ نے ایک کمیٹی کے ذریعہ فسادات کی ایک مفصل رپورٹ تیار کرائی، تاکہ قوم وملک اور حکومت کو اندازہ ہو کہ ان فسادات سے قوم وملک کا کتنا زبردست نقصان ہوا ہے بالخصوص مسلمانوں پر کیسے کیسے مظالم ہوئے ہیں، اور ان کو کس قدر جانی و مالی نقصان پہونچایا گیا ہے، پھر اس رپورٹ کو شائع کرایا گیا، اور حکومت کے ذمہ داروں سے مل کر یہ سارے حالات ان کے سامنے رکھے گئے، اور ان مظالم کے خلاف کارروائی کی درخواست کی گئی، "فسادات اور امارت شرعیہ" کے نام سے جو رپورٹ شائع ہو چکی ہے اسے ملاحظہ فرمایا جائے۔

مشرکانہ ترانوں پر احتجاج غیر مذہبی ترانے جب تعلیمی اداروں میں جاری ہوئے تو کچھ مسلمان طلبہ نے شرک کی آمیزش ہونے کی وجہ سے ان ترانوں میں شرکت

نہیں کی، چنانچہ صرف اس بنیاد پر ان کا اخراج عمل میں آیا، امارت شرعیہ کو جب معلوم ہوا تو اس نے اس کے خلاف پر زور احتجاج کیا، امارت کے وفد نے وزیر تعلیم سے مل کر مسئلہ کی نوعیت ان کے سامنے رکھی، اسلامی عقائد سے جو ٹکراؤ ہوتا تھا، اس کی تشریح کی، چنانچہ وزیر تعلیم نے وفد کی دلیلوں کا وزن محسوس کیا اور تعلیمی اداروں کے نام یہ ہدایات جاری کیں کہ اس طرح کے پرارتھنا میں کسی مسلمان طالب علم کو شریک ہونے پر مجبور نہ کیا جائے۔ اور جس اسکول میں اس طرح کی پرارتھنا پر اعتراض ہو، اس اسکول کے احاطہ میں اسے بند کر دیا جائے۔

ایک صاحب کے سوال کرنے پر امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ نے یہ بیان شائع کرایا کہ مسلم طلبہ جہاں رام دھن گایا جا رہا ہو اور وہ اسلام کے منافی ہو، شریک نہ ہوں، بلکہ پرہیز کریں، ان کو ایسی نظمیں پڑھنی چاہئیں جن سے ملک میں ترقی اور اتحاد عمل کا جذبہ ابھرے اور کسی مذہب وملت کی دل آزاری نہ ہو۔

سرکاری نصاب تعلیم کا جائزہ اور اس کی اشاعت

آپ جانتے ہیں کہ آزادی کی رحمتوں اور نعمتوں کے ساتھ جو جان لیوا زحمتیں اور مصیبتیں آئیں، اور طوفان بن کر آئیں ان میں اسکولوں کا نصاب تعلیم بھی ہے جس میں ایسی کتابیں بھی داخل کی گئیں جن میں کھل کر مسلم عقائد و اعمال پر حملے اور مسلمانوں کی دل آزاری تھی، بلکہ توہین و تذلیل بھی، دوسری طرف اکثریتی فرقہ کے عقائد کی مختلف راہ سے تبلیغ و ترویج کی سعی کی گئی تھی، امارت شرعیہ نے ایک

سب کمیٹی بنائی کہ وہ نصاب کی تمام کتابوں کا بغور مطالعہ کرے اور پھر اس کے قابلِ اعتراض حصوں کی نشاندہی کرے۔

اس کمیٹی نے بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی، یہ پوری رپورٹ اور نصاب کا جائزہ امارت شرعیہ نے تمام اخبارات کو بھجوایا اور پھر خود ہی اسے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کیا، اس رسالہ کا نام ہے "سرکاری نصابِ تعلیم کا جائزہ"۔ یہ چالیس صفحات پر مشتمل ہے۔

اس جائزہ کے شائع کرنے کا منشاء یہ تھا کہ حکومتِ وقت تعلیمی نصاب کی ان خامیوں اور کمزوریوں پر توجہ دے اور سیکولر حکومت کا نصاب تعلیم بھی سیکولر انداز کا مرتب کرایا جائے۔

اس جائزہ میں بتایا گیا ہے کہ ان نصابی کتابوں میں ہندوستان کے بڑے لوگوں میں صرف غیر مسلموں کا تذکرہ ہے۔ کسی مسلمان کا ذکر نہیں آیا ہے زیادہ سے زیادہ گیتا کے ترجمہ کے سلسلے میں صرف ابوالفضل کا نام آیا ہے پھر ہندو دانشوروں کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اس سے مسلمان بچوں کے عقائد متاثر ہوں۔

جائزہ کے اثرات | امارت شرعیہ کا مرتب کردہ "سرکاری نصاب تعلیم کا جائزہ" بہت سے اخبارات نے شائع کیا، اس سے ملک و ملت کو بھی فائدہ پہونچا اور حکومتِ وقت کو بھی اس طرف توجہ ہوئی۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا:۔

"نقیب نقابتِ دین کا فریضہ حسن و خوبی کے ساتھ ادا

کررہا ہے، اسکولوں کی نصابی کتابوں پر آپ کی تنقید کا سلسلہ حد سے زیادہ ضروری اور مفید ہے، الحمد للہ کہ ابھی چند ہی نمبر آپ کے مضمون کے نکلے ہیں مگر ملک کے طول وعرض میں کافی ہلچل ان کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے، الجمعیۃ جیسے مرکزی اخبار نے جو دلچسپی ان سے لی ہے نظر سے گذری ہوگی، کام بہت کچھ کرنے کا تھا لیکن ہمارے ذمہ دار قائدین خاموش تھے فجزاکم اللہ عن امۃ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خیر الجزاء"۔

جمعیۃ علماء ہند نے بھی اس "سرکاری نصاب تعلیم کا جائزہ" پر دھیان دیا، اور اس نے اپنی مجلس عاملہ میں یہ کتابچہ رکھ کر ایک تجویز کے ذریعہ حکومت ہند کو ان قابل اعتراض چیزوں کی طرف توجہ دلائی، اور نصاب پر نظر ثانی کی اپیل کی۔

ریاست بہار کی توجہ

بہار میں حکومت نے ابتداء میں اس جائزہ پر کوئی دھیان نہیں دیا لیکن جب مونگیر کے ایک ضمنی الیکشن میں کانگریس کے امیدوار کو شکست ہوئی اور اس وقت اُس کے اسباب وعلل پر جب بحث ہوئی، تو ابھر کر یہ بات سامنے آئی کہ مسلمانوں کو جہاں بہت ساری دوسری شکایتیں ہیں وہیں انھیں نصاب کی کتابوں پر بھی اعتراض ہے، اور اس وقت اس کا بھی اس الیکشن پر کافی اثر پڑا ہے۔

چنانچہ کانگریس کے فیصلہ کے مطابق وزیر تعلیم نے تعلیمی شعبہ کے افسروں کا ایک اجتماع طلب کیا، جس میں وزیر اعلیٰ کو بھی دعوت دی گئی، افسروں کے

اس اجتماع میں وزیراعلیٰ نے کہا کہ حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ ملک کے کسی مذہبی فرقہ بالخصوص مسلمانوں کی دل آزاری نہ کی جائے، پھر امارت شرعیہ کا مرتب کردہ جائزہ پڑھ کر سنایا گیا، کہ نصاب کی کتابوں سے ان کی دلآزاری ہوتی ہے۔ لہٰذا اس پر توجہ دی جائے، چنانچہ افسران نے اسے نوٹ کیا، اور تھوڑی بہت توجہ بھی دی۔

بنگلہ دیش کی بدامنی پر امارت کا اقدام

امارت شرعیہ کا مزاج اور طریقہ کار مداہنت اور بے جا مصلحت بینی سے ہمیشہ پاک رہا ہے، اس نے کتاب وسنت کی روشنی میں جو کچھ صحیح سمجھا ہر موقعہ پر بلاخوف لومۃ لائم امت کی ترجمانی کا فریضہ ادا کیا، اس کی بے باکی، جرأت مندانہ ترجمانی اور مضبوط قیادت کا تازہ ثبوت یہ ہے کہ موجودہ امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہٗ بنگلہ دیش بن جانے کے بعد وہاں امن وامان کی مٹی جس طرح پلید ہوئی، اس سے بہت دلگیر ہوئے، غیر بنگالی اور بنگالی مسلمانوں کے باہمی تصادم اور جذبۂ انتقام کی کارروائی نے انسانیت کو لرزہ براندام کردیا، چنانچہ آپ نے مظالم کے سدّباب کے لیۓ وزیراعظم ہند اندرا گاندھی کے نام ذیل کا مکتوب روانہ کیا۔

وزیراعظم ہند کے نام مکتوب

شریمتی اندرا گاندھی، وزیراعظم ہند۔

آداب عرض!

بنگلہ دیش ایک نو آزاد ملک کی حیثیت سے مختلف قسم کے مسائل اور دشواریوں سے دوچار ہے۔ حکومت ہند کی

خواہش اور کوشش ہے کہ ایک نئے پڑوسی ملک کو بھرپور مدد دی جائے، تاکہ وہ اپنے مسائل حل کر سکے، حکومتِ ہند کی یہ پالیسی پچھلے نو دس ماہ کی پالیسی کا لازمی نتیجہ اور آخری کارروائی ہے۔ جسے وہ انجام دے رہی ہے، میرا خیال ہے کہ بنگلہ دیش میں ابھی دو مسائل سب سے زیادہ اہم ہیں، ایک آبادکاری اور معاشی ترقی، دوسرے اقلیت، مہینوں کی خانہ جنگی اور جنگ کے نتیجہ میں وہاں نظامِ زندگی کا ہر پرزہ چُور ہو چکا ہے، نظامِ زندگی اور معاشی راہوں کو درست کرنا بنگلہ دیش کے عوام کی بھلائی کے لیۓ نہایت اہم اور ضروری کام ہے، جس کی طرف خوش قسمتی سے حکومتِ ہند خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ دوسرا مسئلہ اقلیت یا غیر بنگالیوں کا ہے۔ انسانی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ بے حد نازک ہے جس کی طرف انسانیت دوستوں کو توجہ دینا ضروری ہے بنگالی ہو یا غیر بنگالی سب انسان ہیں اور ان میں سے کسی کے ساتھ بھی ظلم اور قتل و خون ریزی کا معاملہ انسانیت کے لیۓ شرمناک ہے۔ اس لیۓ میں آپ سے ...... ایک اچھا انسان ہونے کے ناطے اپیل کرتا ہوں کہ آپ مظالم کے خلاف مؤثر کارروائی کریں، ...... یہ واقعہ ہے کہ ہندوستانی فوج نے غیر بنگالیوں کو ظلم کا نشانہ بننے سے بچایا ہے، لیکن

یہ عارضی اور محدود شکل ہے، صرف جان بچنے سے زندگی نہیں بنتی۔ میں چاہتا ہوں کہ جہاں اکثریت (بنگالیوں) کے مستقبل روشن کرنے کا بیڑا آپ نے اُٹھایا ہے، وہاں اقلیت (غیر بنگالیوں) کا مستقبل بھی آپ کے ہاتھوں محفوظ ہو جائے اور ایک آزاد شہری کی حیثیت سے وہ خوف و دہشت سے نکل کر اطمینان کی زندگی گذار سکیں۔ مجھے امید ہے کہ اس عظیم انسانی کام سے آپ پوری دلچسپی لیں گی۔"

(۳ر فروری ۱۹۷۲ء)

وزیر اعظم بنگلہ دیش کے نام اہم خط

بنگلہ دیش کی اقلیت (غیر بنگالیوں) کے سلسلہ میں حضرت امیر شریعت مدظلہ نے دوسرا خط اس ملک کے وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمٰن کے نام روانہ فرمایا جس میں ان سے امن وسلامتی کی طرف خصوصی توجہ کی اپیل کی گئی ہے۔

جناب شیخ مجیب الرحمٰن صاحب وزیر اعظم بنگلہ دیش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"اللہ کا شکر اور آپ کو مبارکباد ہے کہ آپ بحفاظت قید وبند اور موت کے چنگل سے نکل کر اقتدار کے ساتھ مکان واپس لوٹے ...... اب آپ نے ایک عظیم ذمہ داری سنبھالی ہے جو ایک انسان اپنے کندھوں پر اٹھا سکتا ہے یعنی اپنے عوام کے لئے جو بنگلہ دیش میں رہتے ہیں، ان کی حفاظت اور آرام دہ زندگی

کی ذمہ داری، اس ملک میں حالیہ قتل وغارتگری کے واقعات انسانی تاریخ میں ایک زبردست المیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اوران المناک واقعات کی بناء پر جو دشمنی اور نفرت پھیل رہی ہے اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیۓ ختم ہونا چاہیۓ۔

بنگلہ دیش کی آبادی کا ایک معتدبہ حصہ ان لوگوں کے خاندان پر مشتمل ہے جو نسلاً غیر بنگالی ہیں، اور یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ ماضی میں وہاں جو کچھ ہوا اس کی بناء پر وہ لوگ نہایت خراب، سخت اور صبر آزما حالات سے دوچار ہیں، موجودہ حالات میں ان لوگوں کو آپ کی خصوصی اور حفاظتی توجہ کی ضرورت ہے، انتظامیہ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ان لوگوں کے مسائل کا حل کرنا قطعی آپ کی ذمہ داری ہے، اور مجھے پورا یقین ہے آپ کو اپنی اس ذمہ داری کا مکمل احساس ہوگا،

اس لیۓ میں اس سلسلہ میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم لوگوں میں سے کچھ آدمیوں کو آپ اپنے ملک میں خیر سگالی کے مشن پر جانے دیں، تاکہ ہم لوگ حالات کے اعتدال اور معمول پر لانے میں آپ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں، خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کے درمیان جو بنگلہ دیش کے شہری کی حیثیت سے تقسیم ملک کے بعد ہندوستان سے ترک وطن کر کے وہاں بس چکے ہیں، مجوزہ وفد ان لوگوں پر مشتمل ہوگا

جو انسانیت نوازی اور کھلے ذہن سے سوچنے سمجھنے اور سماجی کاموں میں اپنے آپ کو لگائے رکھنے کے لئے شہرت رکھتے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ اس سے متأثرہ لوگوں پر خاطر خواہ اثر پڑے گا اور وہ غلط فہمیاں آسانی سے دور ہو سکیں گی جو اِدھر اُدھر کی رپورٹوں سے پھیل رہی ہیں۔

(۲ر فروری ۱۹۷۲ء)

مسلم پرسنل لاء اور امارت شرعیہ

امارت شرعیہ اپنے قیام کے روز اول ہی سے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لئے کوشاں رہی ہے اور آج بھی ہے، چنانچہ پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت مولانا محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں کتنی سعی فرمائی اور ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے بعد تو آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ:

"دفاعی نقطۂ نظر سے غیر الٰہی نظام رکھنے والی مجالس مقننہ میں خصوصی پابندیوں کے ساتھ ممبروں کو بھیجا جائے، جو وہاں پہونچ کر دفاعی خدمات انجام دیں اور اُن تمام بلوں اور تجویزوں کی مخالفت کریں، جن سے مسلمانوں کے مذہبی قوانین و احکام کی ترمیم، تنسیخ اور تبدیل و تغییر ہوتی ہو یا غیر شرعی پابندی لازم آتی ہو، یا جس سے مذہبی آزادی کی ادائیگی میں مشکلات پیدا ہوتی ہوں اور یہ سب اس حقیقت کے یقین کے ساتھ کریں کہ یہ غیر الٰہی باطل نظام کی مجالس ہیں، صحیح نظام دنیا کے لیۓ وہی ہے اور وہی ہو سکتا ہے جو دنیا کے خالق کا ہے، اور

جو دنیا والوں کو بلا ریب اس کی طرف سے ملا ہے اور بلا ریب محفوظ ہے۔ یہاں آنے کا اصل مقصد دفع مضرّت ہے جلب منفعت نہیں ہے، نیز اسلامی روح سے، اس کے احکام سے، اس کے قوانین سے اُن درندوں کو جو اس کو برباد کرنے اور مسخ کرنے کے لیے حملہ آور ہیں، اسی طرح بقدرِ امکان مدافعت کرتے ہیں، اور مدافعت کرنا جائز سمجھتے ہیں جو ہمارے مادی جسم پر حملہ آور ہوتا ہے۔

(تاریخ امارت ص۱۹۵)

امیر شریعت مدظلہٗ کا مقالہ مسلم پرسنل لا۔

موجودہ امیر شریعت مدظلہٗ نے اپنے دور میں بھی اسلامی قوانین کی حفاظت پر ایسی ہی نگاہ رکھی، چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ نے "اسلامک اسٹڈیز سرکل علی گڈھ" کی دعوت پر مسلم پرسنل لا کے موضوع پر ایک وقیع مقالہ لکھا اور سیمینار منعقدہ ۱۴ ر ۱۵ ر ستمبر ۱۹۶۹ء علی گڈھ میں پڑھا جسے اہل علم نے پسند کیا اور جو بعد میں "مسلم پرسنل لا" کے نام سے شائع ہوا۔

مسلم پرسنل لا، پر دارالعلوم دیوبند میں اجتماع اور امارت شرعیہ کی تائید

پھر جب دارالعلوم دیوبند سے اس کے سربراہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم نے ملک کے علماء اور دانشوروں کو اس مسئلہ پر مخاطب کیا اور ایک عالمانہ بیان دیا تو اس آواز پر سب سے پہلے امارت شرعیہ نے لبیک کہا اور حضرت امیر شریعت مدظلہٗ نے اس

بیان کی تائید میں اپنا بیان شائع کرایا، اور پھر[1] ۱۴، ۱۵ / مارچ ۱۹۷۲ء کے ایک خصوصی اجلاس منعقدہ دارالعلوم دیوبند میں شرکت فرمائی، جس میں ملک کے دوسرے علماء اور دانشوروں نے بھی شرکت کی تھی۔

یہاں اس مشترکہ بیان کا ذکر مناسب ہوگا جو اس اجلاس نے دیا تھا اس بیان کی تمہید یہ تھی:۔

"مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ کچھ عرصہ سے ملک میں معرض بحث بنا ہوا ہے، اس کے بارے میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر اور موصوف ہی کی صدارت میں دارالعلوم دیوبند کے لائبریری ہال میں مورخہ ۱۴، ۱۵ / مارچ ۱۹۷۲ء کو ہندوستان کے معزز علماء، ماہرین قانون اور فضلاء کا اجتماع منعقد ہوا، جس نے دو دنوں تک مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی، اور زیر بحث مسئلہ کا پوری فکری سنجیدگی کے ساتھ آئینی اور فقہی نقطۂ نظر

---

[1] حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ دارالعلوم دیوبند نے اس اجلاس سے پہلے مسلم پرسنل لاء کے عنوان پر علمی مقالے لکھوائے پھر یہ مقالات اراکین شوریٰ کے سامنے پڑھے گئے اس موقع پر خاکسار نے بھی ایک مقالہ "مسلم پرسنل لاء کے چند مخصوص مسائل" لکھ کر پڑھا تھا جو رسالہ دارالعلوم بابت ماہ مئی ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مقالے میں تعدد ازدواج، طلاق کا حق مردوں کو ہی کیوں، طلاق ثلاثہ، وصیت، میراث اور تلفیق وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی تھی (ظفیرالدین)

سے جائزہ لیا، پوری بحث وگفتگو کے بعد یہ اجتماع اپنے مندرجہ ذیل یقین اور احساسات کا اظہار کرتا ہے"۔

اس تمہید کے بعد سات نمبروں میں احساسات ویقین کی تفصیل دی گئی تھی، جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے جس کا نظام انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں پر حاوی اور ہر دور اور ہر ملک کے لیے فلاح کا ضامن ہے، فقہ اسلامی ایک زندہ قانون ہے جس میں حالاتِ زمانہ کی رعایت، عرف وعادت کا اعتبار، ضرر وحرج کا دفعیہ اور شرعی نقطۂ نظر سے قابلِ اعتبار مصالح کے لحاظ سے قیمتی اصول موجود ہیں، برطانوی عہد اقتدار نے بھی تسلیم کرلیا تھا کہ مسلمانوں پر شرع اسلامی کے قوانین نافذ رہیں گے اور آزادی کے بعد دستورِ ہند نے بھی مذہبی آزادی کو شہریوں کا بنیادی حق تسلیم کیا، اور مسلمانوں پر مسلم پرسنل لا رکا نفاذ برقرار رکھا —— لہذا قانونِ شریعت کے بجائے مشترکہ سول کوڈ کی کوشش نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی ملی انفرادیت کا ختم کرنا ہوگا بلکہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت ہوگی اور آئین ہند میں دی ہوئی مذہب وتہذیب کی آزادی پر حملہ ہوگا، لہذا یہ اجتماع اس روش کی مذمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور کسی قیمت پر اسے گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں"۔

دار العلوم دیو بند کے اس اجتماع نے یہ بھی طے کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن بلایا جائے جس میں ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں، تنظیموں کے ذمہ داروں اور رہنماؤں کو دعوت دی جائے اور ہر مسلک و ہر مکتب فکر کے علماء اور دانشوروں سے درخواست کی جائے کہ وہ بھی شریک ہوں، تاکہ مسلم پرسنل لا کے اس اہم مسئلہ پر کوئی متفقہ واضح بیان دیا جا سکے، اور اس کے بعد کسی کے لیے یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے کہ فلاں جماعت اس میں شریک نہیں تھی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن

چنانچہ ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو یہ عظیم تاریخی کنونشن ہندوستان کے مشہور شہر بمبئی میں منعقد ہوا، جس میں ہر مسلک اور ہر مکتب فکر کے علماء اور دانشوروں نے شرکت کی، اور ملک کی تمام سیاسی جماعتوں کے سیاسی رہنماؤں اور ذمہ داروں نے بھی کھل کر حصہ لیا، اور ایشیا کی مشہور دینی یونیورسٹی دار العلوم دیوبند کے سربراہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں تمام مسلمانوں نے متفقہ طور پر اعلان کیا کہ مسلم پرسنل لا میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی برداشت نہیں کی جائے گی، اس لیے کہ اسلام کا یہ قانون ناقابل ترمیم ہے،

اس کنونشن کے انعقاد میں دار العلوم دیوبند کے ساتھ امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات بھی شریک رہے۔ بلکہ امیر شریعت مدظلہ نے اس سلسلہ میں بمبئی کے متعدد سفر بھی کیے، اور پھر امارت شرعیہ کے ذمہ داروں اور بہی خواہوں نے اس کنونشن میں صوبہ بہار و اڑیسہ کے مختلف حصوں سے چل کر شرکت کی۔

اس کنونشن نے ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی بھی تشکیل کی اور وقتی طور پر ایک کنوینرس کمیٹی بھی بنا دی، جو اس مہم کو آگے چلا سکے، اور ملک میں آنے

والے قوانین کی دیکھ بھال کا فریضہ بخوبی انجام دے سکے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

پھر کنوینرس کمیٹی کی منظوری سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا باضابطہ پہلا اجلاس ، ۲۸ر اپریل ۱۹۷۳ء کو حیدرآباد میں منعقد ہوا، اس اجلاس نے بورڈ کا دستورِ اساسی منظور کیا اور مجلس عاملہ اور عہدہ داروں کا انتخاب کیا، اور کچھ ضروری تجویزیں پاس کیں۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مستقل صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ اور جنرل سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ متفقہ طور پر قرار پائے۔

۴ر ۵ر جولائی ۱۹۷۳ء کو بورڈ کی مجلس عاملہ کا اجلاس جناب بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ کی دعوت پر الہ آباد میں منعقد ہوا، جس میں مختلف کاموں کے نقشے طے کیے گئے اور ان کے لیے افراد کا انتخاب عمل میں آیا۔

مرکزی قانونی جائزہ کمیٹی

اسی مجلس عاملہ کی ایک تجویز کے مطابق یکم و ۲ر ستمبر ۱۹۷۳ء کو دہلی میں مرکزی قانونی جائزہ کمیٹی کا اجلاس غالب اکیڈمی میں طلب کیا گیا جس میں دہلی کے تمام ذمہ دار علماء اور قانون دانوں کو دعوت دی گئی اور مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ ان کے سامنے پوری اہمیت کے ساتھ پیش کیا گیا، کہ موجودہ حالات میں اس کے تحفظ کے لیے کیا کیا جائے۔ اور مختلف راہوں سے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی جو صورتیں پیدا کی جارہی ہیں ان کو کس طرح روکا جائے، چنانچہ ایک مرکزی کمیٹی بنا دی گئی جو قانون ساز اداروں کے اُن پاس شدہ قوانین پر گہری نظر رکھے جن کا تعلق

مسلم پرسنل لا سے ہو۔

ان تمام اجلاسوں میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی مدظلہ بحیثیت جنرل سکریٹری پیش پیش رہے، اور اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتے تھے آپ نے پوری جرأت کے ساتھ کیا، اور اپنا فرض ادا کیا۔

مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں جب پارلیمنٹ میں ایک ایسا بل آیا جس سے وہ مجروح ہو رہا تھا تو اس موقع سے آپ ایک وفد لے کر وزیر اعظم ہند سے ملے، اور مسئلہ کی شرعی حیثیت وزیر اعظم کے سامنے رکھی،

وفد کی قیادت مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی نے فرمائی اور اس وفد میں شیخ عبداللہ، جناب مسلم صاحب اڈیٹر دعوت اور دوسرے سربرآوردہ حضرات شریک تھے۔

مسلم پرسنل لا پر امیر شریعت کا بیان

حضرت امیر شریعت مولانا رحمانی مدظلہ نے مونگیر کی عیدگاہ میں یکم شوال ۱۳۹۲ھ کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:-

"ہم اس کے لیے تیار رہیں کہ ہماری گردنیں اڑا دی جائیں، ہمارے سینے چاک کر دیئے جائیں، مگر ہمیں یہ برداشت نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لا کو بدل کر ایک غیر اسلامی لا ہم پر لادا جائے، ہم اس ملک میں ایک باعزت قوم اور مسلم قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں۔"

امارت اور مسئلہ یونی ورسٹی علی گڈھ

آزاد بھارت میں مسلم یونی ورسٹی علی گڈھ کا مسئلہ علی یاور جنگ کی وائس چانسلری اور مسٹر چھاگلہ کے دور وزارت ۱۹۶۵ء

میں بڑا اہم ہوگیا، پرانا نظام توڑ کر نیا نظام لایا گیا، اس سے قدرتی طور پر مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا، اور جب بیگ کمیٹی کی سفارش رد کر کے اقلیتی کردار کی نفی کی گئی تو اس مسئلہ نے اور بھی نزاکت اختیار کرلی۔

مسلمانوں نے ان حالات سے مایوس ہوکر حکومت کے خلاف احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ یونیورسٹی کا اقلیتی کردار بحال کیا جائے، اس سلسلے میں امارت شرعیہ نے بھی مسلم یونیورسٹی کی حمایت میں آواز بلند کی، صوبہ میں اس سلسلہ میں جہاں جہاں احتجاجی جلسے ہوئے، امارت کے بہی خواہوں نے ان میں شرکت کی، خود پٹنہ شہر کے ایک ایسے اجتماع میں امیر شریعت نے شریک ہوکر تقریر کی، جو اقلیتی کردار کی بحالی اور موجودہ حالات کے خلاف بطور احتجاج منعقد کیا گیا تھا، خاکسار اس جلسہ میں موجود تھا۔

مجلس تحقیقات شرعیہ اور امارت

غالباً ۱۳۸۲ھ میں ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ضرورت محسوس کی کہ نئے مسائل پر موجودہ حالات کے پیش نظر صائب الرائے علماء مل کر غور کریں اور اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ دیں تو انھوں نے اہل علم کا ایک اجتماع بلایا، اور اس میں مجلس تحقیقات شرعیہ کی داغ بیل ڈالی گئی، امیر شریعت مدظلہ نے اس اجتماع میں بھی شرکت کی، بلکہ پہلے جلسہ کی صدارت آپ نے ہی فرمائی، اور پھر اس کے رکن کی حیثیت سے برابر اس کے اجلاسوں میں پابندی سے حاضر ہوتے رہے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ نے چند اہم مسائل کے متعلق موقع موقع سے فیصلہ بھی دیا، امیر شریعت مدظلہ ان فیصلوں میں پیش پیش رہے، اور علمی

مباحثوں میں حصہ لیتے رہے۔

رویت ہلال کمیٹی اور امارت

جمعیۃ علماء ہند نے آج سے تین سال پہلے رویت ہلال کے مسئلہ پر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں دہلی کے اندر ایک آل انڈیا پیمانہ کا اجتماع طلب کیا، امارت شرعیہ نے اس اجتماع میں دلچسپی سے شرکت کی بلکہ اس اجلاس کی تجویزوں کے مرتب کرنے میں امیر شریعت نے قائدانہ حصہ لیا۔

تلک کی رسم کی مخالفت

اخیر میں امارت کی ایک ایسی خدمت کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جس پر محنت کی ابھی ضرورت باقی ہے، وہ ہے شادی بیاہ میں "تلک" کی ہندوانہ رسم جس نے مسلم معاشرہ کو سخت مصیبت میں گرفتار کر رکھا ہے، امارت شرعیہ نے مختلف انداز میں اس رسم بد کے مٹانے کی جدوجہد کی ہے اور اب بھی کر رہی ہے مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس کا زور ابھی ٹوٹا نہیں ہے۔

اسلام سے پہلے لڑکیاں زندہ درگور کی جاتی تھیں اور سماج میں ان کو عزت و احترام کی کوئی جگہ حاصل نہیں تھی، اسلام نے اگر ان کو وہ مقام عطا کیا، مگر اس کا اثر یہاں غیر مسلموں میں اب بھی یہ باقی ہے کہ جب لڑکی کی شادی کا وقت آتا ہے تو لڑکے والے لڑکی والے سے حسب حیثیت ایک اچھی رقم وصول کرتے ہیں پھر اس کے بعد رشتہ ازدواج قائم کرتے ہیں اصطلاح میں اسی کا نام "تلک" ہے۔

مسلمانوں میں یہ رسم بد پہلے کبھی نہیں تھی، مگر برادران وطن کی دیکھا

دیکھی ادھر کئی برسوں سے اب مسلمانوں میں بھی پھیلتی جا رہی ہے، یہ بھی لڑکی والے سے جب تک نقد رقم وصول نہیں کر لیتے، نکاح نہیں ہوتا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سی لڑکیاں جوان ہو جاتی ہیں اور وقت پر ان کی شادی نہیں ہو پاتی، لڑکی والوں کو عموماً زمین جائداد بیچ کر ہی یہ رقم جمع کرنا پڑتی ہے، جس کا کھلا ہوا انجام بربادی ہے۔

امارت شرعیہ کے مبلغین جہاں پہنچتے ہیں، اس رسم بد کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں، اور جگہ جگہ اصلاحی کمیٹیاں بھی قائم کرتے ہیں، یہ رسم بد جہیز وغیرہ کے نام سے دوسرے صوبوں میں بھی ہے، خدا کرے مسلمانوں سے یہ مشرکانہ رسم مٹ جائے اور مسلم معاشرہ اس سے پاک ہو جائے۔

نظام قضا اور امارت شرعیہ

آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی کے بعد مسلمانوں میں نظام قضا کا رجحان عام طور پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ ادھر دو سال سے دیکھا جا رہا ہے کہ مختلف صوبوں سے ذمہ دار علماء امارت شرعیہ میں قضا کا تجربہ حاصل کرنے کے ارادہ سے آتے ہیں اور تین ماہ، چھ ماہ وہاں رہ کر ٹریننگ حاصل کرتے ہیں اور پھر اپنے صوبہ میں جا کر دار القضاء قائم کر کے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔

امارت شرعیہ ایسے تمام علماء کا خیر مقدم کرتی ہے اور نظام قضاء کے سلسلہ میں معلومات فراہم کرتی ہے

آج اسی کا فیض ہے کہ مالیگاؤں، حیدرآباد، کرناٹک اور خورجہ وغیرہ میں علماء اور مسلمانوں کا سربرآوردہ طبقہ اس طرف متوجہ ہے۔ اور دار القضا